رفیقِ زندگی کے نام

فہرستِ مضامین

فہرستِ تصاویر

بشیر احمد

"طلسمِ زندگی" اُن مختصر مضامین کا ایک مجموعہ ہے جو میں نے گزشتہ پندرہ سال میں لکھے۔ اِن میں سب سے پہلا مضمون "اِنشا کی پری" ہے جو اگست ۱۹۱۷ء میں وادیٔ سندھ (کشمیر) کے پہاڑوں کی طرف جاتے ہوئے ایک کشتی میں لکھا گیا اور آخری مضمون کتاب کا آخری مضمون ہے جو نومبر ۱۹۳۲ء میں اِس کتاب کو مرتّب کرتے وقت لکھا۔ اِن میں سے بعض "ہمایوں" میں شائع ہو چکے ہیں اگرچہ نظرِ ثانی میں اِن کی شکل و صورت بہت کچھ بدل گئی ہے اور بعض ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئے بلکہ اِن میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے متعلق لکھتے وقت یہ گمان بھی نہ تھا کہ کسی روز یہ شائع ہوں گے۔ عموماً اِس طرح ہُوا کہ کبھی پہاڑوں کی بلندی پر یا سمندر کے کنارے ایک نظّارے سے متاثر ہُوا یا کبھی نُور کے تڑکے یا آدھی رات کے وقت کسی جذبے یا کسی عقیدے ہی نے مجبور کر دیا تو کبھی اپنے دل کو اُبھارنے اور کبھی محض دل خوش کرنے کو اپنے آپ سے چار باتیں کر لیں؛ اپنے جی کی باتیں اَوروں کو سنانے اور یُوں پھر اِن سے لُطف اُٹھانے کا خیال بعد میں پیدا ہُوا۔

یہ محض میرے مختصر مضامین کا مجموعہ ہے! اِسی زمانے میں بہت سے اَور طول طویل مضامین علمی ادبی تاریخی اور مختلف تمدّنی موضوعات پر لکھے جن میں بعض بجائے خود ایک پُوری کتاب کی شکل میں اور بعض متفرق مضامین کے ایک مجموعے کی صُورت میں شائع ہو سکتے

ہیں۔ لیکن پہلے یہ جی چاہتا ہے کہ بجائے اُن بھاری بھرکم مسوّدات کے جنہوں نے گاہے گاہے میرے دل ودماغ کو دبائے رکھا اُن ہلکے پھلکے خیالات کو لُوں جن سے برسوں میرا تخیل اپنے رنگین کھیل کھیلتا رہا۔ چھوٹی چھوٹی خوشنما چیزوں سے مجھے بچپن سے اُنس رہا ہے کوئی چھوٹی سی کتاب، کوئی چھوٹی سی تصویر، ایک ننھا بچہ، ایک چمکتا تارا اور اسی طرح ایک مختصر نظم یا ایک مختصر مضمون یہ مجھے ہمیشہ محبوب رہے ہیں! اور یہی وجہ ہے کہ میں سب سے پہلے اپنے مختصر مضامین شائع کر رہا ہوں۔

اپنے گردوپیش کا نظّارہ، اَخلاق و رُوحانیت کا احساس، والہانہ جذبات کا تموّج، نفسی کشمکش اور رعزم اور پھر اِس ساری سنجیدگی ومتانت کو بھول کر ایک لطیف تبسّم ——— یہ "طلسمِ زندگی" کی کڑیاں ہیں۔

میرے ناچیز خیالات میں اگر کہیں کوئی خوبی ہے تو اُسے میرے والدِ محترم آنریبل جسٹس میاں محمد شاہدین ہمایوں (مرحوم) کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ سمجھا جائے اور خیالات اور زبان وبیان کی ہزاروں کمیوں کو محض مجھ سے منسوب کیا جائے۔

اخیر میں مَیں اپنے بعض عزیزوں اور دوستوں کا اور بالخصوص مولوی حامد علی خاں جا ئنٹ ایڈیٹر "ہمایوں" کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً میری حوصلہ افزائی کی اور نظرِ ثانی کے وقت قیمتی مشورے دیئے۔

بشیر احمد

"المنظر" - لاہور
یکم جنوری ۱۹۳۳ء

پہاڑوں کی بلندی سے

اِنشا کی پری

وہ اپنی پیاری نقرئی کشتی میں اپنے ننھے ننھے اچھوتے خیالوں کو پہلو میں لئے بیٹھی تھی اور تیز بہنے والی ندی کی مست کھیلتی ہوئی لہریں اُسے بہائے لئے جاتی تھیں!

دونوں جانب جنگل کے ہرے ہرے بوٹے ہلکی پھلکی ہواؤں میں لہلہا رہے تھے اور اُن کی آغوش میں پھول بھری ٹہنیاں برسات کے آبدار موتیوں کا ہار پہنے ایک دوسرے سے دست گریباں ہو رہی تھیں۔ ندی اپنی شوخ چنچل لہروں کے ساتھ اپنے کناروں کو آہستہ آہستہ تراش رہی تھی اور سبک رفتار بادلوں کی ننھی منھی بوندیں ٹپک ٹپک کر اُس کی روانی کے دوش بدوش رقص کئے جاتی تھیں۔ پیچ و خم کھاتی ہوئی، جنگل کو پہاڑوں کا گیت سناتی ہوئی، یہ تیز رو ندی اپنے جوش و خروش میں نہیں معلوم کس نورانی سرزمین کی طرف بہے چلی جا رہی تھی۔ میں ترشے ہوئے بل کھائے ہوئے کنارے پر اُس پہاڑ کی سمت جا رہا تھا جہاں سے اِس ندی کا چشمہ سبزہ پوش پتھروں سے نکل کر سر پٹکتا ہوا نیچے کی وادیوں میں بہ نکلتا ہے۔ جنگل کے ہرے بھرے درختوں میں جنت کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ رنگ رنگ کے پھول کہیں شاخوں پر کھلے ہوئے تھے اور کہیں زمین پر بکھرے ہوئے۔ پھولوں کی نکھری ہوئی رنگت، ندی کی بے تاب سرعت، پانی کی جاں بخش ٹھنڈک ---- اِن سب میں اک دل آویز تازگی پائی جاتی تھی اور کھلے بالوں والی

لڑکی کا حُسن بھی اک تازہ دل آویزی سے معمُور تھا!

میں نے اُسے دیکھا اُس نے مجھے اور مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ میری نگاہیں دیکھنے سے پہلے ہی اُس سے آشنا ہیں، میں نے جان لیا کہ یہی وہ پری ہے جس سے ملنے کے لئے میری التہا پرور تمنائیں مدّتوں بے تاب ہیں، جس کا تصوّر عمر بھر میرے سنہرے خوابوں کو بے چین کرتا رہا!

وہ میرے پاس سے گزر جانے کو تھی کہ میں نے اک حسرت بھری نگاہ سے اُسے دیکھا اور اک آہ بھر کر کہا "ہاں! پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا طبیعت کی روانی کو دوبالا کر دیتا ہے! لیکن افسوس ہم جس شے کو ڈھونڈنے نکلتے ہیں، اور ایک عمر اُس کی جستجو میں صرف کر دیتے ہیں وہ اِسی طرح آن کی آن میں ہمارے پاس سے ہوتی ہوئی گزر جاتی ہے اور ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں!"

موجیں اُٹھ اُٹھ کر اُس کی کشتی کا خیر مقدم کرتی تھیں، چڑیاں رہ رہ کر اُس کی آمد کا شیریں گیت گاتی تھیں اور ہوا کے جھونکے، یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ جھونکے اس کی زلفوں سے نہا رہے ہیں یا اُس کی زلفیں جھونکوں سے۔ خوشیاں چار سُو اپنے پھول برسا رہی تھیں اور اس نزہت گاہ میں صرف اک میں تھا جس کا وجود اُس کی دید پر بھی آنسوؤں اور آہوں میں تحلیل ہو رہا تھا۔ میرے اِس اضطراب نے بہتے پانی میں تلاطم سا پیدا کر دیا جس سے وہ روپہلی کشتی اِک ننھے سے بھنور میں گھِر کر چکر کھانے لگی!

وہ بولی "آہ! میں انسانوں کی بستی میں ہوں جہاں ایک اپنے غم سے دوسرے کو بھی غمگین کر دیتا ہے، جہاں کم اندیش دل یہ نہیں سمجھتے کہ محبت کی باتیں بھی دُنیا میں کچھ وہی کر سکتا ہے جو دلفریب باتوں کی بجائے شاندار کاموں سے لو لگائے!"

یہ سُنا تو میری زندگی نے جو مدت سے زار و نزار ہو رہی تھی عزم و ہمت کا ایک جاں فزا نعرہ لگایا اور میری رُوح عمر میں پہلی بار میرے دل کے آنسوؤں میں سے مسکرا پڑی۔ عزم موت تک کو زندگی دیتا ہے اور مسکراہٹ ہے نظر بند زندوں کے لئے آزادی کی اک جھلک! میرے عزم نے مجھ مُردہ دل کو جلا دیا اور میری مسکراہٹ کی رَو غم کے بھنور کو بہالے گئی! وہ دُکھ دینے والا چکر ٹوٹ گیا اور وہ گھومتی ہوئی کشتی رواں ہو گئی!

پری نے مجھ پر اک شفقت کی نگاہ ڈالی اور جاتے جاتے کہا: "سُن! دل کو کبھی اُداس نہ کر، میں جس کے دل میں ہوتی ہوں ہمیشہ اُس کی نگاہوں میں بستی ہوں سو میری جدائی جدائی نہیں۔ اگر تجھے میری آرزو ہے تو تُو فطرت کی کتاب سے حقیقت کا سبق سیکھ۔ دیکھ! پانی کا بہاؤ نشیب و فراز سے پیدا ہوتا ہے! اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری طبیعت میں روانی اور تیرے دل میں زندگی کی لہر پیدا ہو، تیرے تخیّل میں رنگینی اور تیری نگاہوں میں ادا شناسی کی قوت رُونما ہو جائے تو اُن پہاڑوں کی بلندی سے اِس سرشار و مضطرب ندی کی طرح گل پوش وادیوں میں نِکل! پرندوں کی پرواز کے ساتھ اپنے نفس کو بلند کر، جھومنے والے درختوں کی مستی سے مخمور ہو جا؛ چڑیوں کے چہچہوں میں اپنی رُوح کی موسیقی کے خاموش نغمے سُن! اور شام و سحر کی ہواؤں سے آزادی و آزادروی کی ادائیں سیکھ! سرِشام ندی کی طلائی لہروں سے اپنی عُریانی کو ڈھانک اور چاند کی چاندنی کو اپنے دل کی تاریک ترین ظلمت میں جگہ دے! کلی بن کر کِھل جانے کی آرزو رکھ اور پھول بن کر مہکنے کی تمنّا! سبزے کی طرح پامالی میں بھی شاداب رہ اور پرندوں کی طرح خزاں میں بھی نغمہ زن! ندی کے

شفاف آئینے میں جنگل کی رعنائی کو کانپتا ہوا دیکھ اور فضائے بسیط میں چمن چمن کی خوشبو تیرتی ہوئی محسوس کر۔ پھولوں کے رنگ و بو کو اپنی خوشیاں بنا اور کانٹوں کو اپنی مسرتیں! پھیلے ہوئے سائے میں ۔۔ کرنوں کی جھلک دیکھ اور بہتے ہوئے پانی اور آرزوؤں کی چمک ۔۔۔

یہ کہتے ہوئے وہ اس قدر دور جا پہنچی تھی کہ اس کی پیاری آواز اور اس کی میٹھی باتیں میرے کان میں اب بس ٹوٹے ٹکڑے ہو کر آتی تھیں لیکن کس قدر درد پرور تھا وہ راگ اور کس قدر دل کش تھا وہ درد جو ان ٹوٹے ٹکڑوں میں گویا ننھی بجلیوں کی طرح مستور تھا اور مجھے اب بھی ان یاد ہے کہ ۔۔۔ "جنگل کی تنہائی میں ۔۔

شاخوں کی سرگوشیاں ۔ پھڑ پھڑاتے پَر ۔ خوشبوئیں منڈلاتی ہوئیں ۔۔

گنجان آبادی میں ۔۔ درد بھرے دل ۔ شوخ و شنگ نغمے ۔۔۔

ہستی ۔۔ جوش ۔ اطمینان ۔۔ ہوس و روک ۔ دیکھ سن بہت

۔۔۔ ور گانا کچھ ۔ ۔ اور چلا چل ۔۔ جو ہو سو ہو ۔۔۔ تو جی ہی جی!"

کشمیر۔ اگست سنہ ۱۹[illegible]ء
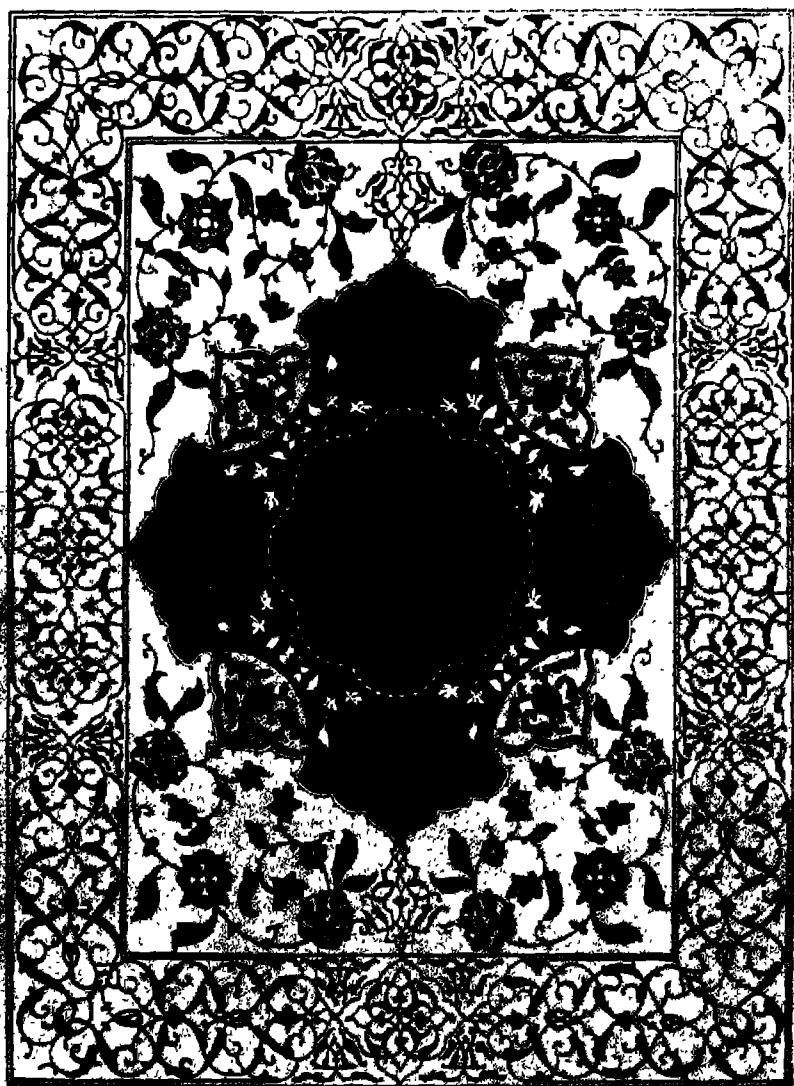
طلوعِ آفتاب

تاریکی، تنہائی، خاموشی ـــــ ساری کائنات پر رات چھائی ہوئی ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا انسان کے لئے ایک زنداں ہے اور زندگی ایک زنجیر ـــــ اور اِس قید خانے سے مُفر کی کوئی راہ نہیں، اس قید سے رہائی کی کوئی صورت ممکن نہیں!

نہیں نہیں! وہ دیکھو اُفق پر روشنی کے آثار! وہ دیکھو نزدیک و دُور نُور کی بارش ـــــ اے انسان کی قسمت! تُو ظلمت میں کیوں گھری ہے؟ دیکھ تیرے لئے ربّانیت ضیاء بار ہے!

دیکھو دیکھو مشرق کی طرف وہ نُور کا تنومند فرشتہ اپنی سنہری رتھ میں سوار اپنے پُرزور گھوڑوں کی سُرخ باگیں تھامے اُنھیں سرپٹ دوڑائے لئے آتا ہے، خوبصورتی اپنی مُٹھی میں پھُول کلیاں لئے آگے آگے بڑھی آتی ہے، عشق اپنی مشعل بلند کئے ساتھ ساتھ اُڑا آتا ہے اور شوخیاں، رعنائیاں، جوانیاں ہاتھ میں ہاتھ دیئے گویا اِس نُورانی جلوس کی شان و شوکت کا آسمانی گیت گاتی چلی آتی ہیں!

وہم و فریب، نا اُمیدی، اضمحلال ـــــ اِن کا دَور ہو چکا! عزم، اُمید،

قوت ——— اب اِن کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے، اب زندگی زندہ دلی ہے، اب زندگی صحیح زندگی ہے!

راتوں کے سونے والو! جاگو! یہ صرف رات ختم نہیں ہوئی، یہ صرف دنوں میں ایک اَور دن کا اضافہ نہیں ہوا۔ مُردہ دلو! زندہ ہو جاؤ کہ ہر روز انسان کے لئے زندگی کے جشن کا دن ہے!

کیا ہر روز زمین آسمان کی روشنی سے مُنوّر نہیں ہو جاتی؟

دیکھنے والو! دیکھو!
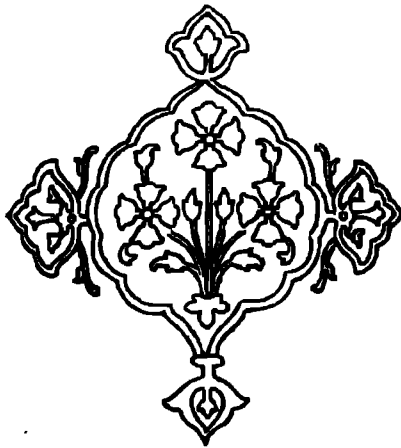
اپنے دریچے سے

جب میں اپنے چھوٹے سے دریچے سے آسمان کی پھیلی ہوئی فضا کو دیکھتا ہوں تو میری فانی زندگی مجھے شاندار نظر آنے لگتی ہے ۔ مَیں کہتا ہوں کہ میرا دریچہ چھوٹا سا ہے لیکن اِس نے آسمان کی کیسی دلکش تصویر کھینچ کر میرے دل کے سامنے پیش کی ہے ۔

خوبصورت ہے یہ آسمان لیکن خوش منظر ہے یہ دریچہ جو میری آنکھوں کی دُوربین بنا ہُوا ہے !

جب میں اپنی ہلکی سی کشتی کو بحرِ ناپید اکنار کے لہراتے پانیوں میں ڈال دیتا ہوں تو میری زندگی وسعت و عظمت کی رَو اپنے اندر دوڑتی ہوئی محسوس کرتی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری کشتی چھوٹی ضرور ہے لیکن سمندر کی موجیں اِسی کے خیر مقدم میں اُٹھ اُٹھ کر رقص کرتی ہیں ۔

عجیب و غریب ہے یہ اُفق تک پھیلا ہُوا سمندر لیکن میری تیرتی ، اُچھلتی ، جدّ کرتی ہوئی کشتی اِس سے بڑھ کر تعجب انگیز ہے ۔

جب میں اپنی ننھی سی جان کو تیری لامتناہی محبت کے سپرد کرتا ہوں تو میرا دل کائنات کی انتہاؤں کو اِس رشتۂ نوخیز کی ابتدا تصوّر کرتے ہوئے اپنی ہستی کو بھول جاتا

ہے ؛ میں محسوس کرتا ہوں کہ اُن مختلف ہستیوں میں جن کا شمار کبھی نہیں ہو سکتا میری کچھ حقیقت نہیں ہے لیکن فضائے لبیط کی دُور دُور تک پھیلی ہوئی بستیاں میرے ہی اضطراب سے پریشاں حال ہو رہی ہیں ۔

وسیع و لبیط ہیں یہ سارے عالم لیکن اِن سے زیادہ پھیلاؤ ہے میری ہستی کا جو ازل سے ابد تک غلامی اور فنا کی بندشوں سے مصروفِ پیکار رہیگی !

ایکِ وِداعی نظّارہ

روزِ روشن سُرخ بادلوں میں اپنا روئے تاباں چھپائے ہوئے مغرب کی طرف جا رہا تھا اور شام اپنے سیاہ آنچل کی اوٹ کئے شفق گوں آنسو بہا رہی تھی۔

میں پہاڑ کے دامن میں ہوائے لطیف کے ہلکے جھونکوں سے اپنے تھکے ماندے دل میں ایک تازہ جُنبش محسوس کر رہا تھا اور اِس دلدوز لیکن خوشنما منظر کو دیکھ دیکھ کر اپنے گذرے ہوئے دنوں کی پیاری یاد سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا تھا۔

بل کھاتی ہوئی لہراتی ہوئی آبجوئیں جا بجا بہ رہی تھیں۔ درختوں کے جھُنڈ میں چھُپ چھُپ کر، پھولوں کی ٹہنیوں کو چوم چوم کر، سبزے کی پتیوں کو چھُو چھُو کر یہ کھیلتی ہوئی روانیاں مجھے کثرت کے ہزاروں جلوے دکھا رہی تھیں۔

میں پہاڑ کے وسط میں ڈوبتے ہوئے سُورج کی سِسکتی کرنوں سے اپنی ترستی آنکھوں کی پیاس بجھا رہا تھا اور اس وِداعی نظارے کو اپنے دل کی تمنائیں پیش کرتے ہوئے گویا موت سے حیاتِ جاوید طلب کر رہا تھا۔

پہاڑوں کے سلسلے رات کی تاریکیوں میں دراز تر معلوم ہو رہے تھے۔ اور قُلّۂ کوہ کی تنہائی وادیوں کی خاموشی کو اُداسی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

میں سرِ کوہ کھڑا ہُوا قُدرت کی نیرنگیوں سے یہ درد بھری التجا کر رہا تھا کہ اِس ظلمت میں ہٹ جانے والے دلنواز منظر میں مجھے اک پرِ پرواز عنایت کرتا کہ میں پہاڑ کی بلندیوں سے اُڑ کر آسمان کی وسعتوں میں تیروں اور پَر جوڑ کر دُور، دُور اُس نیرِّ درخشاں کی گہرائیوں میں غوطہ لگاؤں جو اِس نظارے کی تاب نہ لا کر "غیر محدود" میں اپنا وجود کھو دینے کو ہے!

اچھابل، کشمیر
ستمبر ۱۹۷۱ء
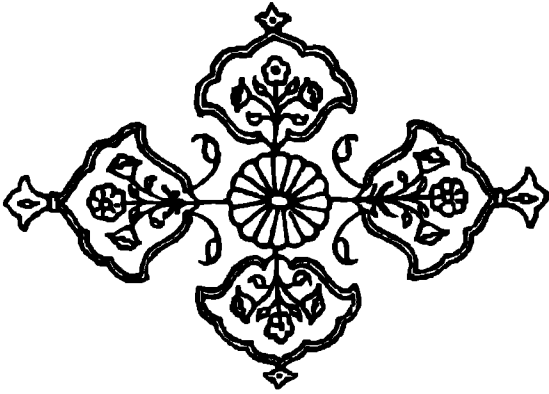
شام کا وقت ہے

شام کا وقت ہے اور میں سلسلۂ ہمالیہ میں پہاڑ کی ایک گھاٹی پر غروبِ آفتاب کا دلکش منظر دیکھ رہا ہوں، گہرا بادل جو دن بھر آسمان کو گھیرے ہوئے تھا اِس وقت رقیق ہو کر پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ ہر ننھا سا بادل گویا اک ریشمیں آنچل ہے جس پر آفتاب کی سنہری کرنوں نے اپنی رنگیں جھالر ٹانک دی ہے۔ ایک سیاہی مائل بڑا ٹکڑا دُور پہاڑ کے شانے پر ٹیک لگائے تاریکی کا انتظار کرتا معلوم ہوتا ہے! کچھ سفید بدلیاں جنہوں نے گویا ابھی ابھی برف سے جنم لیا ہے اِدھر اُدھر غار نما گھاٹیوں میں جھٹ پٹا ہوتے ہی اپنی یک رنگ چادر تان کر سو گئی ہیں۔

مگر ایک ننھا سا شوخ دیدہ مغرب کی طرف عین آفتاب کے پہلو میں جا پہنچا ہے اسے لو! مہرو کرم کی نظر اُس پر پڑی اور وہ سر سے پاؤں تک مُسکراہٹ بن گیا! محبوب نے پھر دیکھا اور اس کا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آسمان کی وسعت میں پھیل گیا! نقاشِ قدرت نے جلد جلد اپنے شوخ و شنگ رنگوں کی ڈبیا کھولی اور اپنا دامن جھاڑا پھر ایک نظر دیکھا تو ابر کی کھیتی حُسن و خوبی کا لہلہاتا قطعہ بن گئی۔

دیکھنے والوں نے کسی ٹکڑے کو ارغوانی کہا کسی کو فاختئی، کسی کو نارنجی اور کسی

کو سنہری! اِس کو بادامی جامہ پہنے ہوئے دیکھا تو اُس کو گُلناری قبا سے پیراستہ پایا لیکن اَور بے انتہا اِتنے جن کا شمار بینائی شاید صرف دیکھ لینے سے کر سکتی ہو گویا رنگوں کی دُنیا تھے جن میں آخر کار سادگی بھی یہ کہہ کر شامل ہو گئی کہ کب تک کوئی تنہا ہی جیتے جائے؟ کیوں کوئی اپنا دامن محبّت کی شوخ رنگینیوں سے نہ رنگ لے؟

مسوری
جولائی سنہ ۱۲ء
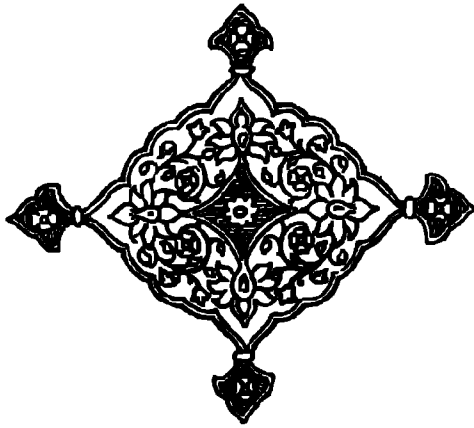
جنگل میں ایک شام

ایک شام مَیں جنگل میں گیا، ابھی وہ ساعت نہ تھی کہ سُورج ڈوب چُکا ہو اور جنگل میں گھُپ اندھیرا چھا گیا ہو اور تھکا ماندہ مسافر ڈر رہا ہو کہ نہ جانے اِس گنجان مقام میں میرے لئے کیا کچھ چھپا ہُوا ہے۔

ابھی شام نہ ہوئی تھی لیکن گھنے درختوں میں شام پڑ چکی تھی، میرا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح روشنی کو ڈھونڈوں ـ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا یہاں تک کہ ایک گھومتی ہوئی سڑک پر پہنچا جو خود اِس تاریک مقام سے کسی روشن فضا کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور اپنی اِس آرزو ہی سے نُورانی ہو رہی تھی۔ ایک بھُولا ہُوا مصرع مجھے یاد آ گیا کہ شاید کسی نے ایسے ہی قطعۂ زمین میں رہ کر لکھا تھا

"کہیں دُھوپ ہے کہیں سایہ، مُورکھ جو للچایا"

اب شام ہونے کو تھی؛ مغرب کی سمت فضائے آسمان مٹنے والے دن کی روشنیوں سے معمور تھی اور سڑک پر کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا روشنی کی فانی لہریں ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی ہیں۔ اتنے میں ایک مسافر کو دیکھا کہ ایک گٹھا کندھے پر اٹھائے

ہوئے جا رہا ہے، دن ڈھل چکا ہے شام کی گھڑیاں قریب ہیں، اب وقت ہے کہ وہ اپنے گھر کی راہ لے۔ دل نے کہا کہ ایسے ہی جب تیری زندگی کی شام اپنا سائبان پھیلا دے جب جوانی کی کہانی بڑھاپے کے جھٹ پٹے میں ختم ہونے کو ہو تو تُو بھی اپنا زادِ راہ لے کر منزلِ مقصود کی طرف چل دینا۔

کیا انسان کا مُقدر یہی ہے کہ اُس آخری شام کا انتظار کیا کرے جس پر زندگی کا آخری دن ختم ہوتا ہے اور اُن تمام شاموں کو فقط اضمحلال ہی میں کھو دے جو ہر روز اپنی تاریکی کے ساتھ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں؟ نہیں نہیں! زندگی کی ہر شام اپنے دن کا ایک زرّیں پیام ہے آنے والی رات کے لئے اور ہر رات کا کام ہے کہ وہ اِس پیام میں ربط و ضبط پیدا کر کے اُسے نئے دن کے گوش گزار کرے تاکہ یوں زندگی روز بروز زیادہ مربوط و مضبوط ہوتی جائے!

اور موت ہمارے لئے کوئی نئی شے نہیں، کیا ظاہر نہیں کہ صُبح دن کا بچپن ہے دوپہر اُس کا شباب اور شام اُس کی پیری اور غروبِ آفتاب موت کی گھڑیاں؛ خالقِ کائنات نے اِس تاریک و روشن دُنیا میں ہمارے ہر دن اور ہر رات کو زندگی اور موت کی تصویر بنا دیا ہے۔

آنکھیں نہیں جو اِس نظارے کو دیکھیں ورنہ ہر روز ہم کیا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ صُبح

پیری میں بھی بچپن کا لطف دیتی ہے، دن اپنے پھیلاؤ میں کس قدر وسیع ہے اور کتنے کاروبار کو سرانجام دیتا ہے، ہم ہر روز کتنا علم و ہنر سیکھ سکتے ہیں؛ اپنے اور اپنے ہمجنسوں کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں؛ دُنیا کو ہم امن کی بستی بنا سکتے ہیں، ہم اپنے حُسن عمل سے اُس کو زیب و زینت دے سکتے ہیں۔ کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں لیکن کرتے ہیں کتنا کم! شام کیسا سُہانا وقت ہے کیسی زرّیں ساعت ہے! روز و شب کا ملاپ ہے، محنت و راحت بہم ملتے ہیں، کام آرام میں محو ہو جاتا ہے۔

کیا یہ آرام بھی اک کام نہیں؟ اُتنا ہی سُودمند اُتنا ہی دلکش، زندگی کے لئے اُتنا ہی شاندار و اہم جتنا کوئی بھی کام۔ ہم کرنے میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ نہ کرنے سے نہ ہم کچھ لطف اُٹھاتے ہیں نہ فائدہ حالانکہ کرنا نہ کرنا، جینا اور مرنا، صبح اور شام، دن اور رات سب کا زندگی میں ایک مصرف ہے اور ہمارے لئے ایک اہمیت اور اِک خوبصورت معنی!

شام ہو چکی، رات آتی ہے ——— آؤ روشنی کو بھول جائیں اور اپنے جسم و جان کو مہربان خدا کی آرام دِہ تاریکیوں کے سپرد کر دیں!

تاروں کی دُنیا میں

تاروں کی دنیا میں خدا جانے وہ کیا ہے جو مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے؛ وہ کیا ہے جسے دیکھ کر اک مضطرب اطمینان دلِ حزیں میں جاگزیں ہو جاتا ہے؟

میں دیکھتا ہوں کہ اِن تاروں میں کچھ ایسے ہیں جو ساکن و خاموش ہیں جیسے خیال کی گہرائی اور کچھ دھندلے اور دُور دراز ہیں جیسے گزرے ہوئے دنوں کی یاد۔

کچھ روشن و تاباں ہیں جیسے کسی پاک و صاف دل رکھنے والی محبوبہ کی آنکھیں اور کچھ ٹمٹماتے ہیں جیسے اُس ماں کی محبت بھری نگاہیں جو آبدیدہ ہو کر اپنے بچھڑے ہوئے بچوں کو پکارتی ہو!

تو کیا اِن آئینوں میں حیاتِ انسانی عکس ریز ہے؟ کیا یہ چراغ میرے رنج و راحت پر اپنی روشنی ڈالتے ہیں اور ہر رات اپنے اشاروں میں میری ہی زندگی کی رام کہانی سناتے رہتے ہیں؟

اور اگر یہ نہیں تو پھر اِس تاروں کی دنیا میں اَور کیا ہے جو مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے جسے دیکھ کر میرا دل کبھی شاداں ہے اور کبھی رنجور!

میں جانتا ہوں کہ میں اک مسافر ہوں رہِ راست سے بھٹکا ہُوا اور گو فطرتاً آزاد روش ہوں لیکن خواہشاتِ رنگیں سے محصور؛ دنیا کی گوناگوں دلچسپیوں کا شیدائی ہوں لیکن اپنی اکثر قوتوں سے بے خبر؛ ہر شے کا طالب رہتا ہوں لیکن اُسے پا لینے پر اپنی آرزو سے بیزار؛ میرے دن سکون سے خالی ہیں اور میری فضا پروازِ تخیل کے لئے تنگ اور ناموزوں! لیکن ایک تنہا سامانِ مسرت میرے لئے موجود ہے کہ ہنوز میری راتیں اِسی سوچ میں کٹتی ہیں کہ حُسن کے اِن ننھے روشن کھلونوں میں کیا وہ روشنی عیاں و پنہاں ہے جسے میری تاریک و نابینا قسمت ڈھونڈتی ہے؛ کیا وہ عصمت ہویدا و پوشیدہ ہے جسے میرا گناہ آلود ضمیر تلاش کیا کرتا ہے؛ کیا وہی راز ظاہر و مستور ہے جس کے لئے میرا نفس خراب و خستہ حال ہو رہا ہے مگر سرگشتگی سے پناہ کہیں نہیں؛ اور اگر یہ نہیں تو پھر تاروں کی اِس دنیا میں اَور کیا ہے جو مجھے اپنی سمت کھینچتا ہے؟

یہ میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کا سب سے اٹل جذبہ جذبۂ عشق اور کائنات کا صادق ترین جلوہ جلوۂ حُسن ہے۔ اور مجھے اِس کا احساس بھی ہے کہ جب میں اِن دُور دراز روشنیوں پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو میرے جذبات میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور میری ساری زندگی درہم برہم نظر آنے لگتی ہے؛ اُس وقت میرا دِل جان لیتا ہے کہ اُس نے خیالی آرزوں کے تعاقب میں اپنا بیش بہا وقت کھویا اور اپنی انمول فطرت کو سیم و زر کے بدلے بیچ ڈالا۔ ایک عمر یونہی کٹی کہ میں نے محبت کو غرض کے ساتھ ہمکنار پایا، وفا کو بے وفائی سے

دوچار ہوتے دیکھا ضمیر کو اپنے ہی نفس سے دست و گریباں ہوتے نظارہ کیا! میرے دن یونہی گذر گئے! افسوس!

لیکن ہزار شکر کہ ایک مسرت ہنوز میرے لئے باقی ہے کہ میری راتیں اب بھی اُن حسین قندیلوں سے منوّر ہیں جن کے پرتو نے دلِ حزیں میں اِک نئی آرزو پیدا کر دی ہیں نے محسوس کیا کہ حیاتِ انسانی کا صحیح سکون سکونِ اضطراب ہے، میں نے سمجھ لیا کہ آرزو اِک سہل سے حصُول کے لئے نہیں عشق اک ارزاں سے وصل کے لئے نہیں اور میں نے جان لیا کہ سچی کشش وہ ہے جو ہمیشہ دل کو اپنی طرف کھینچتی رہے، سچی آرزو وہ ہے جو ہمیشہ تکمیل کی تلاش میں رہے اور سچی محبت بھی وہی ہے جو مدعائے محبت کے لئے مسلسل جد وجہد کرتی رہے اور اِس جدّ وجہد ہی کو مآلِ حیات تصوّر کرے!
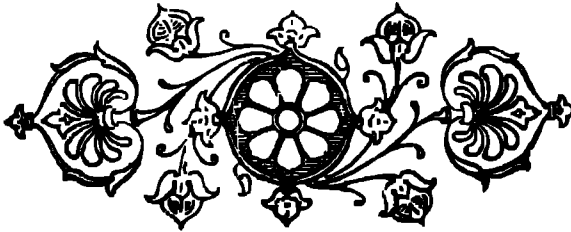
تاریکی آہ

تاریکی آہ! ظالم تاریکی نے میرے کمزور دل پر پورا قابو پالیا ہے۔ اے میرے خدا! تو اپنی سوتی دنیا کے اندر کسی غم نصیب کو اِس تاریک رات میں بیدار نہ کیجیو، اے میرے آقا نہ کیجیو!

روشن دنیا خوشیوں کا گھر ہے لیکن میری اندھیری کوٹھڑی میں تو صبح کے تارے کی چمک بھی نہیں جس سے میری غم زدہ روح کچھ تسلی پا سکے۔

ہائے اے میرے خدا! تو کسی غم نصیب کو اِس اندھیری رات میں بیدار نہ کیجیو، اے میرے مالک نہ کیجیو!

خزاں

خزاں کا دن تھا؛ زرد پتّیاں درختوں سے جھڑ جھڑ کر تیز بہنے والی آبجو میں گرتی تھیں اور بہے جاتی تھیں، مُرجھائے ہوئے پھُولوں کی پنکھڑیاں ہوا میں چاروں طرف منتشر ہو رہی تھیں اور پارہ پارہ ہو کر گردِ راہ ہوئی جاتی تھیں۔

وہ اپنے دریچے میں بیٹھی حُسنِ قدرت کی پژمردگی کا یہ سماں دیکھتی تھی اور اُس کے خیالات فضائے گلشن میں اُداسی کے ساتھ محوِ پرواز تھے! خود اُس کی فطرت کو کوئی غم لاحق نہ تھا کیونکہ اُس کے لئے زندگی بہارِ شباب کے پھُولوں سے معطّر تھی لیکن اِن خوشیوں میں قدرت کے حُسن کی پریشاں حالی اُس کے دل پر اِک ابرِ سیاہ کی طرح چھائی ہوئی تھی۔

"کچھ یہی حال میرا ہوگا" وہ بولی، "دو دن کی بہار پر عبث غرّہ ہے" جب آخر حُسن کو زوال کا سامنا ہے جب یُوں بہار کو خزاں سے واسطہ ہے اور زندگی کو موت سے! گلشنِ فطرت میں کوئی کیوں پھلے پھُولے؛ بزمِ عشرت میں کوئی کیا محوِ طرب ہو جب مسرّت کا انجام رنج و محن اور گویائی کا نتیجہ ابدی خاموشی ہے"۔

اور اُداسی پھر اُس کے دل پر تاریکی بن کر چھا گئی!

خزاں
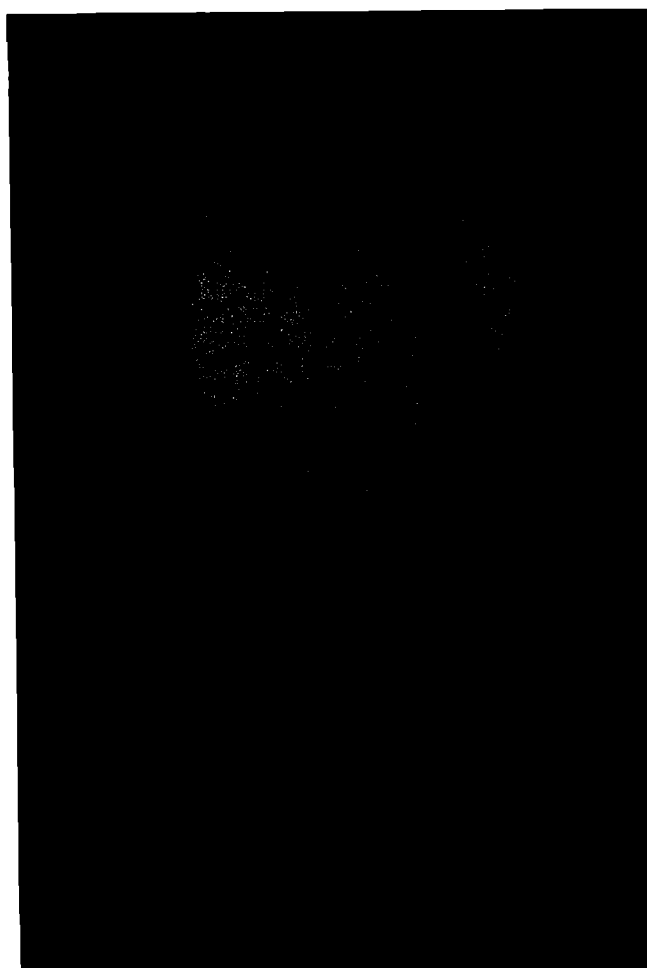
چُوں چُوں کرتی ایک چڑیا اُس کے پاس سے گذر گئی؛ درخت کی پتیاں ہنوز جھڑ جھڑ کر ہوا میں بکھر رہی تھیں لیکن چڑیا اپنے چہچہوں میں مصروف تھی اور چاروں طرف خوشی کے نغمے گاتی ہوئی اُڑ رہی تھی۔

اُس نے حیرت سے چڑیا کو دیکھا اور کہا کہ" تیرے پھُول مُرجھا گئے، جن پتیوں میں تیرا کاشانہ تھا وہ زرد رُو ہو کر مٹی میں مٹی ہوگئیں اور تُو اپنا گانا گا رہی ہے"!

"ہاں! لیکن خوشی کبھی نہیں مُرجھاتی" چڑیا نے مُسکرا کر کہا" اور یُوں بھی پژمردگی حسُن کی بہترین محافظ ہے"!

حسینہ نے اک آہ بھری اور کہا" پژمردگی اور حسُن، میں نے تو حسُن کو ہمیشہ شگفتہ ہی دیکھا ہے، اے چڑیا! کیا تُو خزاں کا پیغام سُنا کر بہار کے شیدائیوں کی ہنسی اُڑاتی ہے"!

ہلکی ہلکی ہَوا کے غمّاز جھونکوں نے یہ باتیں ننھی پنکھڑیوں کی طرح چمن کے کونے کونے میں پھیلا دیں۔

چڑیا چُوں چُوں چُوں چُوں کرتی اُڑ گئی اور سُوکھے درختوں اور ویران گلزاروں کا چکّر لگاتی ہوئی اک جھاڑی کے قریب جا بیٹھی جس میں چند ہرے پتّے اور صرف ایک کھِلا ہُوا پھُول موجود تھا۔

"شیریں پھُول! تُو مجھے پیارا ہے"، وہ گویا ہوئی لیکن بہار کے آخری پھُول نے مُنہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

چڑیا نے ذرا حسرت سے کہا" محبت بھی کتنی دُشوار ہے" لیکن پھُول نے کچھ

جواب نہ دیا صرف اُس کی کھلاتی ہوئی پنکھڑیوں سے یہ اُداس سی آواز آئی کہ "اگر پژمردگی حسن کی بہترین محافظ ہے تو اے چڑیا! شگفتگی لاحاصل ہے۔"

اِس پر چڑیا نے ایک قہقہہ مارا اور پھر اُن سوکھے درختوں اور ویران گلزاروں کا چکر لگاتی ہوئی اُسی دریچے کے قریب جا پہنچی جہاں حسینہ اپنے غم میں سرنگون بیٹھی تھی اور بولی، "اچھی پری! بہار کا آخری پھول مُرجھا گیا، اُس نے انسانی حسن سے خوف کا سبق سیکھا اور وہ مُرجھانے سے پہلے ہی مرجھا گیا لیکن میں پھر بھی اپنا خوشی کا گیت گاؤں گی کہ وہ اُنہیں بے شمار پھولوں میں سے آخری پھول تھا جن کی خزاں میں آنے والی بہار کی خوشیاں مستور ہیں جن کی حسرت ناک موت میں چمن کی جاودانی زندگی کا راز پنہاں ہے ہمارے چمن میں اے پری! پھول کُھلا کر خاک میں مل جاتے ہیں لیکن اُن کی خاکستر سے اور پھول، اُن سے بھی زیادہ خوشنما پھول رُونما ہوتے ہیں، اس لئے ہمارے چمن میں کسی پھول کلی کے مُرجھانے پر نہ کوئی آہیں بھرتا ہے نہ آنسو بہاتا ہے؛ سو تو بھی اے حسینہ! غم نہ کر کہ حُسن حقیقی حُسن غیر فانی ہے، وہ پژمردگی و شگفتگی دونوں سے آزاد ہے اور آزادگی ہی حُسن کی بہترین محافظ ہے۔"

حُسن کی دنیا میں ظاہر باطن سے جُدا نہیں، جو کچھ نظر آتا ہے وہ اَن دیکھے کا جلوہ ہے! لیکن جو کچھ تُو دیکھے وہ بھی محض فریب نہیں اگر تیرا دل ہی تجھے دھوکا نہ دے۔ بدنُمائی تو محض بھٹکی ہوئی آرزو کی کج نظری ہے اور اُس کا وجود حقیقت میں نیستی۔ حُسن ہر جگہ بکھرا پڑا ہے اور کونسی شے حسین نہ ہوگی جب حُسن ہی کائنات کا پیدا کرنے والا

ہے! چند روزہ حسن کو دل نہ دے اور دے تو اُس کی خزاں کو بہار سے جُدا نہ دیکھ کہ بہارِ حسن کی گویائی ہے اور خزاں اُس کی خاموشی! اور کون کہہ سکتا ہے کہ شاہدِ ازل کی خاموشی اُس کی گویائی سے زیادہ دلکش نہیں؛ خاموشی کہ ہزاروں رس بھری باتوں کا نچوڑ ہے!

اے حسینہ اے وہ کہ بہار کے لئے سوگوار ہے اور خزاں سے دلفگار آنکھیں کھول اور دیکھ کہ خزاں خزاں نہیں بلکہ خزاں بھی بہار ہی کا اِک سماں ہے!

۲۶
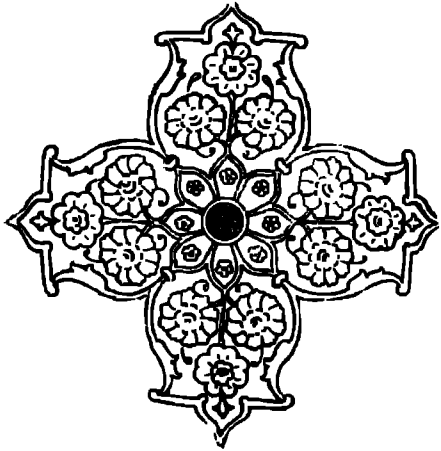
سمندر

سمندر، سمندر، شان دار بیکراں سمندر! چست و چاق، بے باک، آزاد! گویا دنیا و مافیہا سے الگ کوئی اَور دُنیا!

دُھواں نہیں، گرد و غبار نہیں؛ پاکیزگی، لطافت اِس پر زور و قوت مگر نزاکت اِک "نزہت گاہِ اُنس"۔ ایک بادبانی کشتی ہے اُس میں دو انسانی صُورتیں، محنت و مسرت کی مُورتیں؛ اُدھر اُوپر، دائیں بائیں ہر طرف، سمندر کے صاف سُتھرے سفید کپھیر و لہروں سے کھیلتے ہیں؛ لہریں گھُلتے مِلتے پانیوں کی، ہلکی پھُلکی ہواؤں کی!

چڑیاں ہواؤں سے، ہوائیں لہروں سے، لہریں کشتی سے اور کشتی انسان سے لجاتی شرماتی کتراتی پر ساتھ ہی ساتھ وہ اِس پر اور یہ اُس پر لپکتی اور اِتراتی گویا ایک دُوسرے کا ساتھ چولی دامن کا جسم و جان کا! چڑیاں چاہتی ہیں ہوائیں ہو جائیں، ہوائیں چاہتی ہیں لہریں بن جائیں، بادبان ہلکی ہوا کا دم بھرتا ہے اور لہراتا ہے، انسان ننھی لہروں کے نرم تھپیڑے کھاتا ہے اور اپنی نازک کشتی کے گرنے اُبھرنے میں محو ہو کر زندگی کا اُتار چڑھاؤ بھُولے ہوئے ہے!

شیریں ساعتیں

سکون سمندر کی پھیلی ہوئی سطح پر مسلط تھا اور ہلکی ہلکی ہوا کے بیدار کُن جھونکے سوئے ہوئے پانیوں میں گاہے گاہے ایک ننھی سی جنبش پیدا کئے دیتے تھے۔ یہ کچھ خواب اور کچھ تبسم میرے تھکے ماندے دل کے لئے ایک ایسی تسکین دِہ اور حیات آفرین کیفیت تھی کہ اُس مطمئن ساحل کے کنارے ریت کے اُن بھیگے ہوئے تودوں پر لیٹے میں اپنی عمر بھر کی کلفتیں بھول جانے کو تھا!

پانی میں اِن جھونکوں سے ایسی ننھی ننھی لہریں پیدا ہوتی تھیں کہ میں جب اُنہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتا میری جان اُن کی سرد تھرتھراہٹ کو گویا اپنی آنکھوں میں محسوس کرتی۔

ہَوا کے یہ شیریں جھونکے رہ رہ کر آتے اور میری پلکیں باہم مل جاتیں، میں سمندر کی سمت دیکھتا اور میری آرام پسند نگاہ جہاں جم جاتی پھر اُٹھنے کا نام نہ لیتی تھی۔

دُور، دُور جب آفتاب سمندر کے سینے میں غرق ہوگیا؛ اور اُس کی کانپتی ہوئی کرنیں اپنے تئیں موجوں کی آغوش میں کھو چکیں تو میں خاموشی اور تنہائی سے مدہوش ہو کر اِس تصوّر کا احساس کرنے لگا کہ کائنات میں اِس وقت صرف تین چیزیں موجود ہیں، ایک یہ وسیع و بسیط سمندر، اور وہ دُور دُور تک پھیلا ہوا آسمانِ بیکراں! یہ کہ ہم تینوں ایک دوسرے کو دیکھتے

ہیں اور کوئی غیر ہستی اِس عمیق ساعت میں ہمارے ساتھ شریکِ نظارہ نہیں!

سمندر اور آسمان کی نیلاہٹ میری آنکھوں میں گھر کیے جاتی تھی اور میرا دل اُس میں آنے والے خوشگوار زمانے کی تصویر دیکھ کر خوشی سے جھوم رہا تھا۔

بحرِ بے پایاں کی پیہم اُبھرنے والی لہریں اُس سعیٔ مسلسل کا خاکا کھینچتی تھیں جس سے میری از سرِ نو زندہ حیات ایک نئے قالب میں تبدیل ہوا چاہتی تھی اور زمین و آسمان کی تازہ ہوائیں میرے ہمت و استقلال کی دستگیری کو پے بہ پے چلی آتی تھیں۔

میری گذری ہوئی زندگی اگرچہ خشک خیالات اور غمگین تخیلات کی گود میں پلی تھی مگر یہ جانفزا انظارہ میری آئندہ عمر کی مرجھاتی ہوئی امیدوں پر شادابی و شادمانی کے روح پرور اور زندگی بخش چھینٹے دیتا تھا۔

کیسی مبارک تھی وہ گھڑی جب میری بند کلیوں نے لہریں لیتے ہوئے سمندر کی اُبھرتی رنگت سے نیلگوں رنگ پکڑا، آسمان کی کھلی ہواؤں نے اُنہیں تروتازہ کیا اور وہ موجوں کی کشاکش سے متاثر ہو کر میرے باغِ زندگی کے کھلے ہوئے پھول بن گئیں!

کراچی

جنوری ۱۹۱۰ء

طوفانی سمندروں سے ہوتے ہوئے

مہذب لوگوں کے جہاز میرے ساحل کے قریب آتے ہیں اور میرے وطن کی لطیف و کثیف اجناس کو اکٹھا کر کے لئے جاتے ہیں، وہ سمندر کے سینے پر رقص کرتے ہیں اور اس خانہ بدوشی میں بھی اپنے ملک کی رنگ رلیوں کو عزیز رکھتے ہیں، لیکن مجھے وطن سے دُور کوئی خوشی نہیں اور میں اُس کے ساحلوں پر اپنے کاہلانہ آرام میں پڑا مضمحل ہو رہا ہوں۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہر روز غیر لوگوں کے جہاز بے پایاں سمندروں سے ہوتے ہوئے ان ساحلوں پر لنگر انداز ہوتے ہیں اور میرے ساکن پانی میں شدت کی بیقراری پیدا کر دیتے ہیں، میرا اطمینان اضطراب میں تبدیل ہو کر میرے خیالوں کو جنبش میں لے آتا ہے، اور میں اپنے تنگ و تار سینے میں گویا سمندر کا مدوجزر محسوس کرنے لگتا ہوں۔

میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تیری کشتی اُن طوفانی پانیوں کے قابل نہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اُن طوفانی سمندروں ہی سے گزر کر مجھے ایک پُرعظمت دنیا میں جانا ہے اور مجھے جانا ضرور ہے تو میں کیا کروں؟

خاموش، تنہا، ہر طرف کھلی ہوئی کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی وسعت ——— نظر کی جولانی کے لئے، تخیّل کی پرواز کے لئے، رُوح کے استغراق کے لئے ایک میدان، ایک فضا، ایک ساکن سمندر!

جی چاہتا ہے کہ تیز، چلچلاتی دُھوپ ہو اور یہی دشتِ عرب بن جائے، کوسوں تک آبادی نہ ہو اور یہی صحرائے اعظم ہو جائے، سُورج ہو زمین ہو میں ہوں اور بس ——— پھر کائنات مجھ سے کتنی قریب ہو جائے، پھر اَن دیکھا وجُود کیونکر میری دیکھتی آنکھوں میں جھلک اُٹھے ——— پھر میں ہوں اور وُہ!
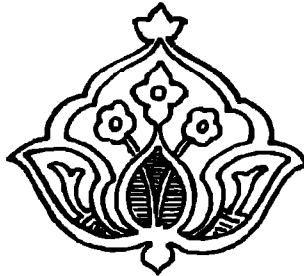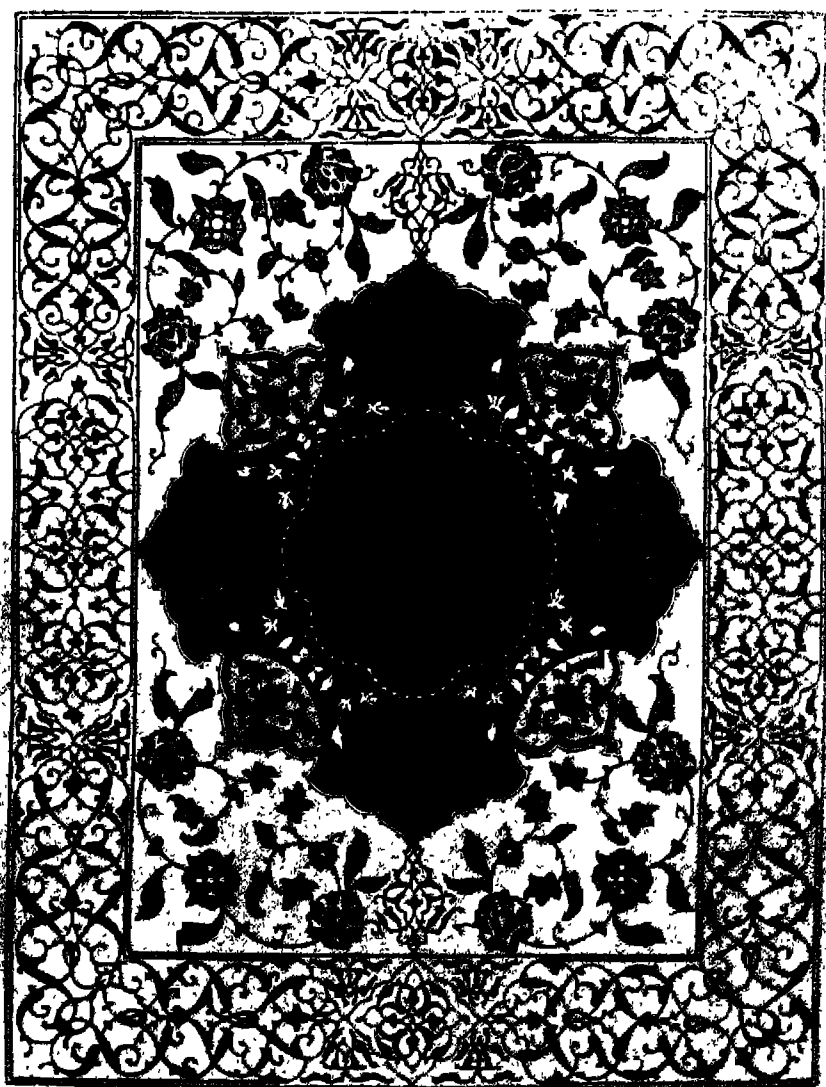
اے حسینوں سے حسین تر

اے حسینوں سے حسین تر! اے چاند سے مکھڑے والے! اے تاروں کے محبوب!
تُو کہاں ہے؟ میری رُوح کو کاوش ہی رہتی ہے تُو کہاں ہے؟

چاندنی راتوں میں جب چاند آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے تو ساری دُنیا اُس کی جہاں افروز کرنوں سے پُرنُور ہو جاتی ہے! اَسرارِ ظلمت پر یہ نرم و نازک روشنی پڑتی ہے اور تخیّل ہوا میں بے پر ہلائے اُڑتا ہے! اُڑتا ہے اور گاتا ہے، گاتا ہے اور اُڑتا ہے۔

پھر شبِ تاریک میں جب دنیا و مافیہا پر سناٹا چھایا ہوتا ہے تو ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی دِھیمی دِھیمی روشنی سے کائنات مخمُور نظر آتی ہے! شمعِ زندگی جھلملانے لگتی ہے اور دل کسی دوسری دنیا کے خواب دیکھنے کی تمنا میں مدہوش ہو جاتا ہے۔

یا پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جہاں آبشار بلندی سے گر کر خود رَو سبزے پر موتی بکھیر دیتا ہے ایک شاداب و مخملیں تبسّم خلوت آرا ہوتا ہے! لطیف روشنی چمن کی تر و تازہ رنگینیوں میں کھیلتی ہے اور نسیم جنگلی پھولوں کی بُو باس سے مست ہو کر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

اور سمندر کی بے پایاں وسعت میں جب صبا کے ہلکے ہلکے جھونکے نیلگوں لہروں

سے سرگوشیاں کرتے ہیں تو سازِ قدرت وحدت کے میٹھے راگ سے بیقرار ہو جاتا ہے اور رُوح بے خودی کی شکستہ کشتی پر سوار ہو کر اپنے تئیں بحرِ مواج کی دائمی کشمکش کے سپرد کر دیتی ہے۔

آہ! اے ماہِ درخشاں! اے ستارۂ تاباں! اے آبشارِ حُسن! اے قلزمِ محبت! کیا تُو یہاں ہے؟ میری رُوح کو روز و شب کاوش ہی رہتی ہے تُو کہاں ہے؟

میں گمان کرتا ہوں کہ اگر میں یہ چاندنی کا گداز، یہ تاروں کی مستی، پہاڑوں کی یہ سطوت اور سمندر کی یہ شان و شوکت کسی ایک نقطے پر جمع کر کے اُسے مُنتشر کر دوں تو فضا تیرے نُور سے معمور ہو جائے!

طُلوعِ سحر کے گلابی دُھندلکے میں جب بے باک چڑیا مسرت کی راگنی چھیڑتی ہے تو چمن کے سبز پوش اپنی میٹھی نیند سے بیدار ہو کر اس آزاد گیت کو سُنتے ہیں اور حالتِ وجد میں جھُومنے لگتے ہیں؛ جھاڑیوں کی نازک پتیاں اور پھُولوں کی پنکھڑیاں خوشی میں آ کر تالیاں بجاتی ہیں اور کسی کی آمد آمد کا راگ گنگناتی ہیں۔

پھر بہار کی مست گھڑیوں میں جب بادل آسمان کی محفل میں رقص کرتے ہیں اور اپنی رنگ رلیوں میں کھو کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں تو کسی محبُوب کے لئے رنگ برنگ کے موتیوں کا ایک جھُولا ڈالا جاتا ہے؛ کرنیں اُس کا ریشمیں تار ہوتی ہیں اور بارش کے قطرے اُس کے گوہرِ سُفتہ۔

یا طِفلی کے سرور دنوں میں جب معصُومیت بھولے بھالے بچے کے مُنہ پر اپنے

بہتے پانی کے چھینٹے دیتی ہے تو چہرہ عصمت و پاکیزگی کی تابش سے چمک اُٹھتا ہے! آنکھوں میں اُلفت کا چراغ درخشاں ہوتا ہے اور پیشانی پر ستارۂ بلندی روشن! کیا وہ تو ہی ہے جو بے پروائی کے ساتھ اِن ننھے ننھے کھلونوں سے کھیلتا ہے اور دنیا کے سازوسامان کو ایک نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا؟

اور عُنفوانِ شباب میں جب حُسن خوبروؤں پر اپنی فطری اداؤں کی بارش کرتا ہے تو راستی رہ رہ کر رُخِ دلکش پر اپنا سیم و زر نچھاور کرتی ہے! کھُلے ہوئے بال آزادی کے ساتھ شانوں پر پڑتے ہیں اور خوبصورت آنکھیں گویا محبت کے بار سے جُھکی پڑتی ہیں۔

تو کیا وہ تُو ہی ہے جو ایک مسکراہٹ کے ساتھ یوں اپنے حُسن کا دلکش منظر دیکھنا دکھاتا رہتا ہے؟

آہ! اے نغمۂ شیریں! اے قوسِ رنگیں! اے معصومیٔ دلکش! اے خوبیٔ دلفریب! کیا تُو وہاں ہے؟ آہ آہ! میری رُوح کو ہمیشہ یہی کاوش رہتی ہے کہ تُو کہاں ہے؟

ہاں! میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میں یہ راگ کا سوز! یہ بہار کی رنگینی! بچپن کی یہ معصومی! اور شباب کی یہ دلآویزی! زندگی کے ساغر میں بھر کر اپنی پژمُردہ صورت پر چھڑک لُوں تو ضرور ہے کہ میری خوابیدہ آنکھیں بیدار ہو جائیں اور میں تیرا پرتو اپنے ہی آئینہ دل میں عیاں دیکھ لُوں!

مسوری
جولائی ۱۲ء

مجھے گانا نہیں آتا

مجھے گانا نہیں آتا اے آقا! اور میں سنتا ہوں کہ تجھ تک باریاب ہونے کی وہی لوگ راہ پاتے ہیں جو تیری فرصت کی عمیق و شیریں ساعتوں کو اپنی راگنیوں سے معمور کر دیں۔

گانے والے اپنے ساز سُر تال کے ساتھ بجاتے ہیں اور میری بے سُری صداؤں پر تیوری چڑھا کر مجھے ندامت کرتے ہیں کہ تو عرصۂ حقیقت کو ابھی اپنے نغمۂ خام کی جولانگاہ نہ بنا بلکہ وہ خلوت میں بھی جب مجھے گنگناتا سُن لیتے ہیں تو اُسے تیری تضیع اوقات کا موجب قرار دے کر برہم ہو جاتے ہیں۔

اے آقا! میں جانتا ہوں کہ مجھے گانا نہیں آتا لیکن یہ سمجھ کر کہ شاید تیرے در تک رسائی اُنہیں لوگوں کو ہے جو اپنی مُطربانہ ریاضت کو تیرے حضور پیش کریں میں بھی ایک نغمہ چھیڑنے کی جرأت کرتا ہوں کہ شائد ہزاروں لاکھوں صداؤں کے ہجوم میں میری کمزور آواز بھی ایک لمحہ کے لئے سُن لی جائے کیونکہ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اگرچہ تُو اکثر اُن پُرپیچ، دقیق راگنیوں پر جو دور دراز دنیاؤں کے کونے کونے سے تیری طرف اُمڈی چلی آتی ہیں شائد قبولیت کے طور پر مسکرایا کرتا ہے لیکن تجھے ننھے ننھے بچوں کی بے ربط ہنسی اور رنگ رنگ کی تیتریوں کے نازک پروں کی تھرتھراہٹ

بھی ہمیشہ تڑپا دیتی ہے اور تو اُن مُسلسل نغموں کو سُنتے سُنتے اچانک رُک جاتا ہے اور ایسی شکستہ آوازوں پر ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے جنہیں دُنیا کے بڑے نقّاد لائقِ التفات بھی نہیں سمجھتے۔

تیری اِس وسیع دُنیا میں اے آقا! کوئی دل ایسا نہیں جس سے میں تیرے وہ نغمے سیکھوں جو تیری نذر کے قابل ہوں! میں تو اُن ہزاروں لاکھوں صداؤں کو جو ہر روز تیرے لئے بلند ہوتی ہیں سُن سُن کر مایُوس ہو جاتا ہوں کہ ایسا راگ جو رِقّت سے لبریز ہو کر فضائے بسیط کو چیرتا ہُوا تیرے حریمِ محبّت تک جا پہنچے میرے نصیبے میں نہیں۔ اِتنے میں شام تیری مئے ارغواں کو اپنے جامِ سیاہ میں چھلکاتی ہوئی آتی ہے! مَیں رات کی تاریک خاموشی میں اپنی تنہائی سے متاثر ہو کر رو پڑتا ہوں اور چِلّا اُٹھتا ہوں کہ ہائے مجھے گانا نہیں آتا! ——— تُو مجھے اپنے پہلو میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں اِسی التجائے درد کا منتظر تھا"!

تُو اپنا ساز اُٹھاتا ہے

تُو اپنا ساز اُٹھاتا ہے اور کائنات رنگینیوں سے معمُور ہو جاتی ہے۔ پہاڑ کی گھاٹیاں پہاڑی چڑیوں کے راگ سے گونج اُٹھتی ہیں اور آبشار کی پُرشور روانی سوئے ہوئے سبزے کو بیدار کرنے کے لئے اپنی نوبت بجاتی ہے۔ لہروں کے مدّوجزر سے سمندر کی خاموشی ٹوٹ جاتی ہے اور اُس کی نیلی فضا میں موسیقی اپنے ننھے ننھے خوشنما دائروں کے اندر رقص کرنے لگتی ہے۔

چٹیل میدانوں کی ویرانی میدانی چڑیوں کے نغموں سے آباد ہوتی ہے اور خوبصورت ہرن زمین کے پھیلاؤ میں چوکڑیاں بھرتا ہُوا نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ رنگیلے پکھیرو چمن چمن اُڑتے ہیں اور اپنے گیتوں سے باغ میں اِک قیامت برپا کر دیتے ہیں۔

تُو جب اپنا ساز چھیڑتا ہے تو ساری کائنات رنگینیوں سے معمُور ہو جاتی ہے!

تیری محبّت کی یاد میں

میرے دن تیری محبت کی یاد میں اُداس ہیں اور میری راتیں تیری فرقت کے اضطراب میں طویل ہوتی جاتی ہیں۔

مجھے تجھ سے جُدا ہوئے مدّتیں گزر چکی ہیں! آہ کیا تُو نے اپنی محبّت کو میرے سینے میں اس لئے جگہ دی تھی کہ میری آنکھیں تیرے دیدار سے محروم رہیں؛ شہروں کے کوچے کوچے میں قصبوں کی گلی گلی میں مَیں تجھ کو ڈھونڈھ رہا ہُوں۔ باغ میں پھُول پھُول کو سونگھتا ہُوں اور صحرا میں ذرّے ذرّے کو دیکھتا ہُوں کہ شاید تیری وفا کی نکہت، شاید تیری آنکھوں کی چمک اُن میں نہاں ہو! مگر آہ نہ اُن کی رنگت میں وہ دلآویزی، نہ اُن کی تابش میں وہ جانفزائی ہے جو میں نے تیرے چہرے کے سوئے ہُوئے حُسن میں دیکھی تھی۔

پیارے! میرے دن تیری محبّت کی یاد میں اُداس اور میری راتیں تیری فرقت کے اضطراب میں تیرہ و تار ہو رہی ہیں۔

حُسنِ عمل کی وہ ہدایتیں جن کی تعلیم تُو نے جُدائی کے روز مجھے دی تھی برسوں گذر گئے کہ میں اُن کی اشاعت میں ہمہ تن منہمک رہا ہُوں! میں نے اپنی زندگی کو تیری خوشنودی کے لئے وقف کر دیا ہے اور میری آرزوئیں تیری مصلحت اندیش اُلفت کے قدم بقدم چل

کر اپنے نصب العین کی طرف سرگرم سفر رہتی ہیں۔ عمر بھر میرے کام کاج کی اصلی غایت یہی رہی ہے کہ میں اُن بیش بہا احکام کو جو تُو نے جُدائی کی گھڑی میں میرے سادہ لوحِ دل پر ثبت کئے تھے اِس تنگ و تاریک دُنیا میں سونے چاندی کی طرح چمکتا دیکھوں لیکن وہ پیاری پیاری باتیں جو تُو نے اپنی خلوت میں مجھے گوش گذار کی تھیں ہنوز میرے سینۂ سوزاں میں، ہنوز میرے دلِ بیتاب میں مستور پڑی ہیں! میرے سینے کی جلن کا باعث میرے دل کی دھڑکن کا سبب یہی تیرے راز کا چھپانا یہی تیری اُلفت کو اپنے پہلو میں دبائے رکھنا ہے۔

تُو جانتا ہے کہ محبت کے بھید کا چھپائے رکھنا کس قدر مشکل ہے تُو خوب جانتا ہے کہ جُدائی کی سخت گھڑیاں کس طرح ٹھہر ٹھہر کر رہ رہ کر گزرتی ہیں، میری رُوح قسم قسم کی پابندیوں میں مقید ہے اور تیری محبت دنیا جہان کی بندشوں سے آزاد۔ آہ! جب سے تُو نے میری روح کو اپنی محبت سے لبریز کر دیا ہے تیرے بغیر میری اِس زندگی کا کٹنا، تیرے بغیر میرا اِس دُنیا میں جیتے رہنا روز بروز دشوار ہوا جاتا ہے۔

آہ! اب تُو میری اِس حالتِ زار پر، اب تُو میرے اِس دلِ بیقرار پر رحم کر، رحم کی نگاہ کر کہ اے دل و جان سے پیارے، اے میری تاریک زندگی کے سب سے روشن ستارے! میرے دن تیری محبت کی یادمیں اُداس ہیں اور میری راتیں تیری ہی فرقت کے اضطراب میں طویل ہوئی جاتی ہیں!

تیرے لئے

تیرے لئے اے دوست! میں راہ تکتا ہوں، فضا کو دیکھتا ہوں، گردن نیچی کئے آنکھیں جھکائے رہتا ہوں کہ شاید تُو کسی دُور دراز ملک سے کہیں آسمانوں سے یا خود میرے دل ہی میں سے میری طرف سرگرم سفر ہو، تجھے میری کلفتوں کی خبر ہو میری کوششوں کا کچھ علم ہو، میری بیقرار اُلفتوں کی کسک تیرے دل میں بھی موجود ہو؟ شاید! اسی لئے اے جان سے عزیز تر! اے پیکرِ حُسن، اے روحِ محبت! اسی لئے میں شب و روز تیری راہ تکتا ہوں، وسیع پانیوں میں نیلے آسمان پر لق و دق صحراؤں میں مَیں تیری تلاش میں سرگرداں اور تیری جستجو میں آوارہ ہوں پیارے!

جب دنیا کے جھگڑوں جھمیلوں سے میں اُکتا جاتا ہوں جب خود غرض ساتھیوں کی طمع و حرص سے جی گھبرا جاتا ہے جب میں مُصیبت کی گھڑیوں میں کوئی سچا ہمدرد اِس فریب کار دُنیا میں نہیں پاتا تو تجھ بن اے دوست! کوئی نظر نہیں آتا تیرے سوا کسی کی یاد دل میں باقی نہیں رہتی، تیری فُرقت آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے اور تیری پاکیزہ صحبت کی اُمید گرتے ہوئے آنسوؤں کو مُسکراہٹ میں تبدیل کر دیتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ دوستوں کی قدر بے وفا دوستوں کی قدریں اسی لئے کرتا ہوں کہ

اُن کی بے وفائی سے مجھے تیری وفا کا پتہ چلتا ہے ، دُنیا کے بکھیڑوں کے جال میں اُلجھ کر بھی میں ناخوش نہیں ہوں کیونکہ یہ مجھے تیری آزادگی کی یاد دلاتے ہیں۔ زندگی کے نقائص پر بھی میرا جی اُس سے بیزار نہیں اِس لئے کہ یہی نقائص ہیں جن سے مجھے تیری ہستی کے کمال کا احساس ہوتا ہے میرے دوست !

پیارے ! گویا تیری جُدائی میں بھی اِک لُطف پنہاں ہے پھر تُو ہی بتا کہ تیرے دیدار میں کتنی لذّت اور تیری محبّت میں کیسی خوشیاں مستور ہونگی !
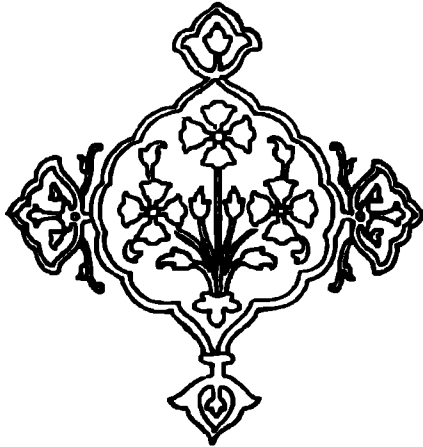
اے دوست

اے دوست! جس سے کبھی ملنا نہیں ہؤا جس کی ہمدردی پر میری ہر مصیبت مسرت میں بدل جائے، جس کی ہلکی سی مسکراہٹ میرے آنسوؤں کو نسیم بہار بن کر خشک کر دے جو دن رات میرے قریب رہے یہاں تک کہ مجھے احساس ہو جائے کہ میں اب "میں اور وہ" ہو گیا ہوں جو کوئی بات کہے تو میں خوشی سے اُسے مان لینا چاہتا ہُوں —— ملنا جو تجھ سے نہیں ہؤا کب ہو گا؛ مجھے یقین ہے کہ تُو ہے لیکن تُو ملنے کے لئے ہے کہ نہیں اِس کا مجھے علم نہیں۔ یہ مجھے یقین ہے کہ دوست ملنے کے لئے ہوتے ہیں یہ مجھے یقین ہے کہ نہ ملنے والا دوست نہیں ہوتا، تُو مجھ سے نہیں مِلا لیکن تُو میرا دوست ہے اِس کا مجھے پھر بھی یقین ہے۔

"اے دلگیر! تُو مجھ سے مِل جانے کے لئے کیوں تڑپتا ہے؛ اگر تُو میری محبت کے خیالوں میں مگن ہے تو یہ اضطراب کیا ہے اور کِس لئے؛ اے دوست! تُو جانتا ہے کہ تُو اپنے دوست سے مِل چکا ہے بلکہ تیرا دوست تو ہر روز، ہر لمحہ جب تُو اُسے یاد کرتا ہے تجھے مِلتا ہے؛ اس پر بھی یہ اضطراب؟ ہاں میری محبت کا سکون بھی اضطراب ہے اور اضطراب ہی میں میری محبت کا سکون ہے!"

دشمن مجھے چین نہیں لینے دیتے

دشمن مجھے چین نہیں لینے دیتے! اے دوست آ اور مجھے میرے دشمنوں سے بچا۔

آ اور دیکھ کہ میرا کوئی ہمدرد نہیں، میرا کوئی غمگسار نہیں، میری تکلیفوں اور مصیبتوں میں میرا کوئی ساتھی میرا کوئی مددگار نہیں جس کی موجودگی سے مجھے تسلّی اور جس کی دلدہی سے مجھے کچھ اطمینان ہو۔

میں جب تیری دنیا میں آیا تو تیری نعمتوں کا انبار اِس طرح میرے گردو پیش پھیلا پڑا تھا جیسے جنگلی چنبیلی کے کسی پودے کے اوپر تلے ہر طرف پھول ہی پھول بکھرے ہوئے ہوں۔ چاندی سونے کی چکاچوند میرے مدّاحوں کی آنکھیں چندھیائے دیتی تھی؛ رفیع الشان مکان اور اُن کے سازوسامان دنیا بھر کے عُسرت و افلاس پر خندہ زن تھے، علم و فن کا خمار میرے دل و دماغ کو مدہوش کئے دیتا تھا! میں سمجھتا تھا کہ اِن کے ہوتے دُنیا میں مجھے کسی شے کی کمی نہیں، کسی رفیق کی ضرورت نہیں، کسی مصیبت کی فکر نہیں، جو چاہوں حاضر، جسے بلاؤں موجود! دنیا بھر کے آرام میرے اور لوگوں کی مصیبتوں سے پوری آزادی مجھے اور پھر جسم کا امن، جان کی امان، دل کی خوشی، دماغ کی مسرتیں سب میری! لیکن انہیں رنگ رلیوں میں سے مَیں نہیں جانتا کس طرح، جیسے برسات کے بعد بے شمار کیڑے نے مین

سے نکل پڑیں، کچھ اسی طرح جوں جوں میں ہوش سنبھالتا گیا میرے لئے فکر و تشویش کے سامان پیدا ہوتے گئے۔

کسی نے مجھے دُکھ نہیں دیا، کسی نے مجھ پر ظلم نہیں کیا، کوئی غاصب نہیں، کوئی جابر نہیں، بلکہ سبھی مجھے میری خوش نصیبیوں پر مبارکباد دیتے ہیں لیکن اس پر بھی مجھے کچھ بے چینی سی ہے، تاریک بادل میری ہستی پر چھائے ہوئے ہیں اور ان میں اضطراب کی بجلیاں جا بجا کوندتی ہیں! اور یہ اس لئے کہ دولت سے کاہلی پیدا ہوئی اور آرام سے غفلت، اچھے لباس اور اچھی معاشرت نے نازک اور نکما بنا دیا۔ مجلسی تملّق نے رہے سہے وصف بھی چھین لئے! اِدھر غرورِ علم نے یقین دلایا کہ مزید تحصیل بے کار ہے، عقل نے وجدان کی آنکھوں پر پٹّی باندھ دی اور دل کی نقل نے اپنی اصل کو جڑ سے اُکھیڑ کر رکھ دیا۔ پھر کیا تھا نعمتیں مصیبتیں بن گئیں، راحتیں کلفتیں ہوگئیں، جہاں بیسیوں احباب نظر آتے تھے وہاں دشمن ہی دشمن دکھائی دینے لگے۔

یہ دشمن جو میرے جی ہی میں موجود ہیں مجھے چین نہیں لینے دیتے اے دوست آ اور مجھے اِن سے رہائی دِلا +
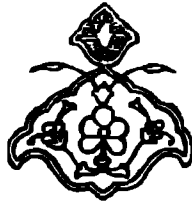
تُو نے مجھے ایسی بیڑیوں سے جکڑ دیا ہے

تو نے مجھے ایسی بیڑیوں سے جکڑ دیا ہے جن سے رہائی پانا بھی تو نے میرے اختیار میں رکھا ہے لیکن مدتیں گذر چکی ہیں اور مَیں ہنوز مقید ہوں۔

میں تجھ سے کیا کہوں کہ اِن ظالموں نے مجھ پر اپنا سکہ بٹھا لیا ہے۔ میری خواہشات اِن کی حکم بردار ہیں، اور میرے جذبات اِن کی سخت گیری کو شفقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ میرے دل نے اِن سلاسل کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھ رکھا ہے، حالانکہ تو نے مجھے اوّلیں روز ہی اِن کی فتنہ سامانی اور میرے ضمیر کی امن پسندی کا راز بتا دیا تھا۔

تُو نے یہ بیڑیاں میرے پاؤں میں ڈالی تھیں لیکن میں نے اِن کو اپنے گلے میں پہن لیا ہے؛ جب میں بولتا ہوں میرا گلا گھٹتا ہے بلکہ تیرا نام بھی لیتا ہوں تو یہ مجھے چین نہیں لینے دیتیں حالانکہ، اے ربُّ الارباب! یہ تیرے ہی ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہیں۔

ہزار حیف ہے مجھ پر کہ میں اِنہیں روز و شب پہنے رہتا ہوں حالانکہ نہ اِن سے مجھے راحت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ تُو ہی ان سے خوش ہے۔

آہ! مَیں کیوں اِنہیں اُتار کر پھینک نہیں دیتا، میں کیوں آزادانہ زندگی بسر نہیں کرتا۔ اِن زنجیروں نے میرے لئے باغ ہستی کو ایک قید خانہ بنا دیا ہے؛ میری نیندیں

اِن کی بے ربط جھنکار سے اُچاٹ ہو ہو جاتی ہیں لیکن میں ہوں کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اِن کو اپنے پہلو میں لیتا ہوں اور یہ ہر روز زیادہ ہی زیادہ مضبوط ہوئی جاتی ہیں!

دریائے جہلم۔ کشمیر
ستمبر ۱۷ء
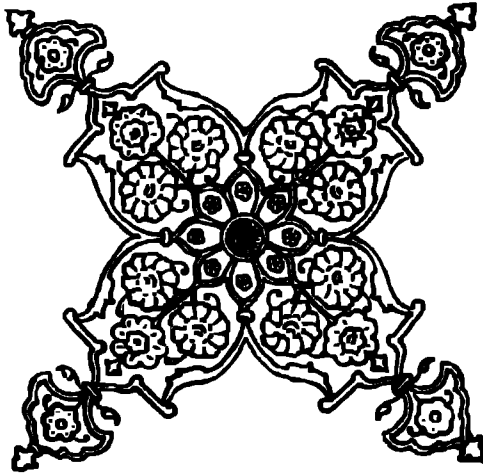
میری دعا یہ نہیں

میری دُعا یہ نہیں کہ تُو مجھے دنیا کی مصیبتوں سے بچالے بلکہ یہ کہ میرے کمزور دل کو ایسا ضبط عنایت کر کہ وہ زندگی کے خطروں کا استقبال صبر و ہمت سے کیا کرے، یہ نہیں کہ تُو مجھے بنی بنائی چیزوں پر قابض کر دے بلکہ یہ کہ تُو میرے دِل میں اچھی باتوں کا احساس پیدا کر کہ پھر اُن کے سرانجام دینے کی خوشیاں میرے نصیب میں ہوں۔

میرا ہر دن نئے اِرادوں سے شروع ہو اور میری ہر شام سکون و اطمینان پر ختم۔ تُو مجھے توفیق دے کہ میرا گرد آلود دل تیری خوشنودی کا آئینہ بن جائے اور میں عمر بھر اُس میں فقط تیری شانِ جمال کا پرتو دیکھتا رہوں!
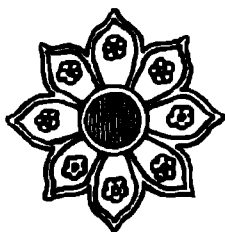
تُو موجود ہے

تُو موجود ہے اور مجھے تیری موجُودگی کا احساس ہے۔ یہ میں نہیں سمجھتا کہ تُو کہاں ہے اور کیوں ہے کیونکہ مجھے تو صرف تیری موجودگی کا احساس ہے اور میری رسائی سے تُو کوسوں دُور ہے۔

عقلمند لوگ مجھ سے تیری ہستی کا ثبوت چاہتے ہیں اور میں منطق کے نئے سے نئے طریق اختراع کرتا ہوں کہ کسی طرح اُن کو خاموش اور شرمسار کر دوں لیکن تُو اُن کی کج فہمی اور میری اِس نادانی پر فقط ہنس دیتا ہے مجھے حیرت ہی رہتی ہے کیوں؟

تُو میرے لئے میری جانِ شیریں سے قریب تر ہے اور جب مَیں دُور، دُور آسمان کی وسعتوں یا سمندر کے تہ خانوں میں تجھے ڈھونڈنے کی غرض سے چل نکلتا ہوں تو تُو میرے دل کے ایک ننھے سے کونے میں جاگزیں ہوتا ہے اور میری اِس تگ و دَو پر چپکے چپکے مسکراتا ہے۔

تیری موجودگی کا میں احساس کرتا ہوں لیکن نہیں جانتا کہ تُو میرے ہی دل میں موجود ہے!

کسی صحرا کے ذرّے یا فلک کے تارے میں جب مَیں تیری جھلک دیکھ

پاتا ہوں تو بیقرار ہو کر تیرے پیچھے دوڑتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تجھے پکڑ لوں لیکن نہیں سمجھتا کہ تو جو یُوں مجھ سے بہت قریب ہے میری دسترس سے کوسوں دُور ہے۔

بارہا ایسا بھی ہُوا کہ میں دُنیا کے تفکرات میں سر بگریباں ہو کر بیٹھ گیا، میرا جسم چوُر تھا اور میرا دِل مضمحل، نگاہ اُٹھی تو تجھے اپنے قریب ہی پایا اور گوشۂ چشم ہی میں تیرا پرتو دیکھا میں سمجھا کہ بس اب مَیں نے تجھے چھُو لیا لیکن تُو آن کی آن میں لاکھوں میل کی مسافت پر کہیں گم ہو گیا، میں نے نہ جانا کہاں اور کیونکر؟

آہ اے سب سے قریب تر! تجھ سے ملنا کب ہو گا؟ اے نُورِ مجسّم! تو نے آنکھیں دی ہیں تو اُنہیں اپنے دیدار سے مسرُور کر گو اُس کی تاب نہ لا کر وہ ہمیشہ کے لئے بے نُور ہی کیوں نہ ہو جائیں، دل دیا ہے اور دِل کو اپنی محبت سے لبریز کیا ہے تو اُسے اپنے حُسن سے آباد کر خواہ وہ اُس کی برق پاشیوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تباہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مَیں یہاں تُو وہاں، میں وہاں تُو کہاں ——— یہ آنکھ مچولی کب تک جاری رہے گی؟ میرے اچھے محبوب! کب تک؟

میرا مُقدّر تو یہی ہے

میرا مُقدّر تو یہی ہے کہ تیری اِس دُنیا میں روز بروز میں زیادہ مبہوت و حیران ہوتے جاؤں، تیری قدرت کو دیکھوں اور اپنی فطرت کو اُس کی پیچ در پیچ اُلجھنوں میں گرفتار ہونے دوں۔

دُخانی کشتیوں اور طیّاروں میں سوار ہو کر میں سمجھا کہ میں نے سُرعت کے سارے بھید پا لئے، برقی قوّت سے مخمور ہو کر میں نے احساس کیا کہ اب اک حیرت انگیز طاقت میرے تصرّف میں آگئی لیکن تیز گامیٔ خیال اور بقائے روح کے اسرار حل نہ ہونے تھے نہ ہوئے۔

صحنِ چمن میں دن دن بھر رنگیں پھولوں سے میری آنکھیں مسرور ہوا کیں، چاندنی راتوں کی ہوائے مدہوش میں گھنٹوں سرمستِ حسُن ہو کر میں تیرا کیا، لیکن وہ متبسم شیرینی جو بُوئے آوارہ کی صورت میں پہاڑیوں کے دل پر کھیلتی ہے سرِ شوریدہ میں اِک گُدگُدی سی پیدا کیا کی اور وہ خوابیدہ مستی جو خاموشی کا بے رنگ لباس پہن کر فضا میں منڈلایا کرتی ہے دلِ حزیں پر ایک خوش رنگ بادل کی طرح چھایا کی! مجھے معلوم نہ ہُوا کہ یہ روشنی اور تاریکی کیا ہے؛ رنگ عیاں کس لئے ہے اور خوشبو نہاں اور پریشاں کیونکر؟

کچھ چیزیں میں نے دیکھیں اور خوش ہو لیا؛ کچھ میں نے محسوس کیں اور مطمئن ہوا لیکن بہت سی ایسی جو یوں میرے گرد و پیش تھیں مگر میرے قابو سے باہر اور جہاں میں نے ہاتھ پھیلائے میری گرفت سے کوسوں دُور! آہ! میں نہ سمجھا کہ یہ کچھ چھُپنا اور کچھ نظر آنا کیسا کھیل ہے؛ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرا مقدّر یہی ہے کہ روز بروز تیرے اِس عجائب خانے میں زیادہ ہی مبہوت و حیران ہوئے جاؤں! تیری قدرت کو دیکھوں اور اپنی فطرت کو اُس میں گرفتار پا کر اُس کے پُرلطف اضطراب کا نظارہ کیا کروں!
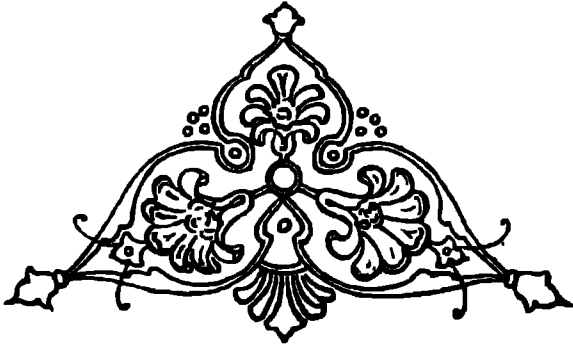
بہار خزاں ہو جاتی ہے

بہار خزاں ہو جاتی ہے، دن ڈھل جاتا ہے، روشنی تاریکی میں چھپ جاتی ہے اور بقا صرف خدا کی ذات کو ہے۔

پرندے چہکتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں، پھول کھلتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں، لہریں سمندر میں اُٹھتی ہیں پھر اُتر جاتی ہیں۔ اِس طرب گاہ کی ہر خوشی کے لئے فنا ہے۔

ہم پیدا ہوتے ہیں، ہمارا بچپن کھیل کُود میں گزرتا ہے اور ہماری جوانی عیش و عشرت میں صرف ہوتی ہے، ہم جاہ و مال کے جھگڑوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور بال بچوں کے بکھیڑے میں پڑ کر سمجھتے ہیں کہ اب تو ہماری زندگی اَوروں کے لئے بھی لابُدی ہے لیکن بڑھاپا آتا ہے تو رُوح خود بخود موت کے آگے سرنگوں ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جان لیتی ہے کہ بقا اِس دُنیا میں صرف خدا کی ذات کو ہے!

طلسمِ زندگی

"بس یہی تھی زندگی"، بوڑھے انسان نے زندگی کے ساحل پر بیٹھے ہوئے اپنی تمناؤں کو کشتی کو روانہ ہوتے دیکھ کر ایک لمبی سانس کھینچی اور یہ بات اُس کے دل کی گہرائیوں سے اِس طرح نکلی جیسے پانی میں کسی شئے کے ڈوب جانے کے بعد سطح پر چند بُلبلے پیدا ہوتے ہیں۔

شام کا وقت تھا اور اِدھر زندگی کی شام تھی!

آسمان پر پہلی کا چاند جلوہ پاش تھا اور پکھیرو، دُور اُڑتے ہُوئے، اپنے اپنے بسیرے کی طرف جا رہے تھے! سُورج غروب ہو چکا تھا، ابھی یہ ننھا چاند بھی جو تاریکی کے ابتدائی لمحوں پر اِک ہلکی سی کرن ڈالنے کے لئے دُنیا میں آیا چھُپ جائے گا اور پھر ہر شئے پر گھُپ اندھیرا ہوگا۔

بُوڑھے کے دِل میں بھی اِک ننھے سے احساس کی شعاع تھوڑی دیر کے لئے چمکی۔ اُس کی رنگین جوانی کے دن بیت چکے تھے، ابھی یہ پیری اور اِس کے احساس بھی دم توڑ دیں گے اور پھر اُس کی رُوح اپنے آخری بسیرے کی طرف اُڑ چلنے کے لئے اپنے پَر کھول دے گی۔

"اے زندگی! کیا تُو یہی تھی"؛ اس نے پھر سر ہلا کر کہا، "تُو دھوکا ہو نہ ہو لیکن جوانی دھوکا ضرور ہے"۔

یہ کہا اور بوڑھا انسان خاموش ہو گیا۔ پھر کوئی بات اُس کے مُنہ سے نہ سُنی گئی۔ اُس نے ٹکٹکی لگا کر اُس پانی کی طرف دیکھنا شروع کیا جو کشتی کے کناروں کو چھو رہا تھا؛ اُس کا ساز، وہ رفیقِ مسرت جو عمر بھر صبح و شام اُس کی تمناؤں کا ہمنوا بنا رہا، ہاتھ سے چھُوٹ کر نیچے گر پڑا۔

کشتی چلنے کو تھی؛ بوڑھا غمگین و مضمحل تھا لیکن کشتی والے مسرور و شاداں۔ یہ صُورتیں کون تھیں؛ بوڑھا کیوں غمگین تھا؛ کیا وہ اِن کی جُدائی کے خیال سے مضمحل ہو رہا تھا؛ نہیں وہ تو چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں اور اِن کی یاد بھی اُس کی رہی سہی زندگی سے حرفِ غلط کی طرح مِٹ جائے۔

اِس لئے کہ یہی وہ دلفریبیاں ہیں جو جوانی کے پُرکیف دنوں میں روز و شب اُس کے دِل پر چھایا کیں؛ اُس کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہا؛ وہ سمجھے ہُوئے تھا کہ میری نظریں حقیقت کی تصویر کھینچتی ہیں، جو کچھ دیکھتا ہُوں وہی دراصل موجود بھی ہے؛ اُس نے دُنیا کی رنگینیوں سے اپنے جی کو رنگ لیا اور اِس رنگ آمیزی کو حُسنِ زندگی سے تعبیر کیا۔ دُنیا نے خوشیوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا؛ پہلے خوشنمائی کی صبح نے اپنا جلی نُور بکھیرا، پھر تمازت ہوئی تو عشرت کے بادل نے فضا میں اپنا سائبان پھیلا دیا، بادل پھٹ گیا تو

رنگِ مستی کی قوسِ قزح نے آسمان پر اپنا جھولا ڈالا، زندگی کا دن اِنہیں رنگ رلیوں میں گذر گیا! مطلع صاف ہُوا تو دیکھا کہ شام ہونے کو ہے! پھر معلوم ہُوا کہ وہ دلفریبیاں فی الحقیقت جوانی کی فریب کاریاں تھیں کہ تھیں کچھ اُور اور نظر آئیں کچھ اُور!

کبھی بزمِ دل کی آب وتاب اِنہیں کے دم سے تھی! اب اِن کی قلعی کھُل گئی تو اِنھوں نے خود اِس بزم سے مُنہ موڑ لیا۔

طاقت، دولت، عشرت، خودی، آزادی، ترقی، حُسن، عشق، عقل، علم، اعتقاد اِن سب کی فریب کاری طشت از بام ہو گئی۔

زندگی کو دل نے کیا سمجھا تھا اور کیا پایا!

لیکن ایک قوی رُوح کے لئے حقیقت بینی ضُعف آفریں کیوں ہو!

زندگی بلاشبہ ایک طلسم ہے جو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ایک دلیر انسان کے لئے کس قدر خوبصورت ہے یہ طلسم اور کس قدر شاندار ہے اِس کی شکست!

آگاہی ہوشمند دلوں کے لئے ایک زبردست سہارا ہے اور حقیقی زندگی کے لئے موت کوئی موت نہیں!

دسمبر ۲۲ء

غم زدہ نہ ہو

غم زدہ نہ ہو، خدا آسمانوں میں موجود ہے۔ وہ ہر دُکھے دل کی فریاد کو سُنتا ہے اور ہر پریشاں حال کی دلجمعی کا سامان پیدا کر دیتا ہے! تُو اپنی مصیبت میں اندوہگیں ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ تیرا غم تیری لاعلمی سے ہے، تیرے دُکھ تیری بُزدلی اور تیری ہی کم مایہ خواہشوں سے وجُود میں آتے ہیں۔

وہ جو پھُول کی طرف ہاتھ بڑھا کر کانٹے کی خلش سے تڑپنے لگتا ہے آپ اپنی کم فہمی کا اعلان کرتا ہے! خدا اُسے تکلیف دیتا ہے لیکن ساتھ ہی تمیز بھی بخشتا ہے، دُکھ درد میں مُبتلا کرتا ہے لیکن اِس طرح اپنی محبّت کے زیادہ قریب کر لیتا ہے۔ زندگی کی لغزشوں میں تُو اُس کی پناہ کا رستہ ڈھونڈ، دنیا کی تکلیفوں میں تُو اُس کی بے شمار نعمتوں کا ذکر کر کہ اگر وہ بے غرض وجود تیرے تحفّظ کا دم نہ بھرے تو تُو کس حال میں ہو؟ یہ اُسی ذاتِ پاک کی بے لاگ محبّت ہے جو باوصف تیری سرکشی کے اپنا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیئے ہُوئے دُنیا کی مصیبتوں میں تیری رہبری کرتی ہے۔

تُو خود اپنے سیاہ و سفید کا مالک ہے اور اپنے غم و مسرّت کا آپ امین! دیکھ تیرا مستقبل تیری آنکھوں کے سامنے منتظر کھڑا ہے کہ جدھر تیری نگاہ اُٹھے وہ اپنی ساری

قوتوں کے ساتھ تیرے لئے مصروفِ کار ہو جائے!

آہ اے غمگین و کم اندیش دل! یہ غم جو تجھے دامنگیر ہے اُس خوشی کی سمت تیری رہ نمائی کرتا ہے جو تیرا صحیح مقدر ہے۔ تیری سہل انگاری کب تک تجھے یوں ناکارہ بنائے رکھے گی! اُٹھ اور اِن خود ساختہ بندشوں سے رہائی پاکر آزادی کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف چل نکل۔ — چل نکل کہ سنہری گھڑی آپہنچی!
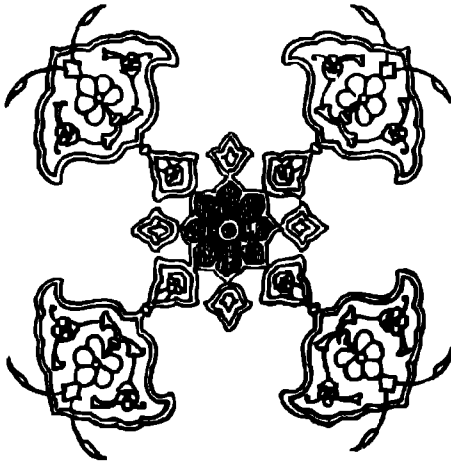
تیرے لئے وہی اچھا ہے

تیرے لئے وہی اچھا ہے جو تیرا خدا تجھے دے۔

اُس کی بخششوں کا انحصار کچھ احسان پر نہیں بلکہ محبت پر ہے۔ ماں اپنے ننھے کو وہی چیز دیتی ہے جو اُس کی سچی خوشیوں کی کفیل ہو؛ وہ اپنی خوشی کو اپنے ننھے کی راحت کے ساتھ وابستہ کر دیتی ہے اور اُسی کی معصوم اُلفت کو اپنی بے لاگ محبت کی تنہا جزائے خیر سمجھتی ہے۔

تیرے خدا نے جس روز تجھے پیدا کیا اُس کا مقصد تیری گردن کو بارِ احسان سے جھکانا نہ تھا بلکہ یہ کہ تُو اُس کی دنیا میں ایک بیکس بچّے سے ایک توانا جوان بن جائے جو اُس کی ہمہ گیر قوّت کو عالمِ ہستی کی ہر شے میں آشکار دیکھے اور اُس سے پیار کرے۔

جو تیرا خدا تجھے دیتا ہے وہی تیرے لئے اچھا ہے۔ تُو اُس کے پُرخلوص ہاتھوں سے ہر اُس چیز کو جو وہ تجھے دے شکریے کے ساتھ لے لے اِس لئے نہیں کہ تیری شکرگذاری تیرے آقا کے لُطف و کرم کو مطمئن کر دے گی یا تیری احسانمندی اُس کی قابلیتِ عمل کو کسی صورت میں تقویت دے سکتی ہے۔ اُس کی قوّتِ عمل اعترافِ کار کی حاجت مند نہیں،

اُس کا قدُومِ خیر مقدم کی آرزو نہیں رکھتا، وہ متمنّی نہیں کہ اُس کی مخلوق اُس کے سامنے سرِ نیاز خم کئے رہے، وہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تیری ترستی آنکھیں اُس کے جلوے سے تسلّی پائیں اور تیرا دل اُس کی رحمتوں سے تسکین حاصل کرکے دُنیا کے رنج و راحت سے روز و شب مضطرب نہ رہے! اور یہ اِس لئے کہ اُس کی بخششوں کا انحصار کچھ احسان پر نہیں بلکہ بے لاگ محبت پر ہے۔

تیرا خُدا جب تجھے تکلیف دیتا ہے تو اِس لئے نہیں دیتا کہ اُسے اِس بات میں راحت حاصل ہوتی ہے یا اس لئے کہ اُس کی خوشیوں کا ذخیرہ کچھ کم ہو جاتا ہے۔ اُس نے تو طرب و انبساط کی لہروں کو کائنات کی رگ و پے میں دوڑا دیا ہے! اور جب کوئی وجود مغموم نظر آتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ تیرا آقا رنج و الم کو عمداً اُس پر نازل کرتا ہے بلکہ خود اُس وجود کے اعمال ہی آلامِ ہستی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ دُنیا کی ہر شے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اُس کا سرچشمہ وہی ربّ ذوالجلال ہے اور زندگی کی مصیبتیں بھی اُسی قسامِ ازل کے اشارے پر اپنا اپنا کام کرتی ہیں لیکن اُسی وقت جب تیرے اپنے عمل اِن آہنی آلات کو مقناطیسی قوت سے اپنی طرف کھینچ لیں! تُو دیکھ اور غور کر کہ اِن کے اتّصال سے جو صدمہ تیرے نفس کو پہنچتا ہے وہ تیری رُوح کے لئے محرّکِ خیر ہے۔ وہ تیری ہی قوّتِ ارادی تھی جو تجھے گناہوں کی راہ پر لے گئی لیکن اُس کے باعث جو زحمت و ندامت تجھے اُٹھانی پڑی وہ تیرے لئے تیرے خالق کی طرف سے اِک پاکیزہ ہدیہ ہے

تُو باہیں پھیلا کر اُس کی سمت دَوڑ اور اپنے بیقرار ہاتھوں سے اِس بیش بہا تحفے کو لے لے۔

تیرا خدا تمام حاجات سے بالاتر اور کُل اغراض سے پاک ہے۔ اُس کی خیر لا انتہا ہے اور اُس کے انعامات کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ زندگی عالمِ بالا کا عطیہ ہے اور ہوس دُنیائے اسفل کا تحفہ۔ آرزو تیری زندگی کو اس دُنیا میں لائی تھی لیکن وہ ہوس ہے جو اَب کارزارِ دنیا میں تجھے کشاں کشاں لئے پھرتی ہے! آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تیرا مُدعائے حیات حرص وہوا کے پیچھے آوارہ وسرگرداں رہنا نہیں بلکہ اِس فانی دُنیا میں دلیرانہ زندگی گزار کر پھر اُسی لازوال وجُود میں جذب ہو جانا ہے جس سے تو رُونما ہُوا۔ تو تیرے لئے وہ اچھا نہیں جس کی تو ہوس رکھے، تیرے لئے اچھا وہی ہے جو تیرا خدا تجھے دے۔ خام تمناؤں کے پیچھے پڑ کر تُو رنج و راحت کی کشمکش میں اپنے نازک وجود کو ٹکڑے ٹکڑے نہ ہونے دے، اپنے ذکی الحس دل کو تُو ادنیٰ جذبات کے تصادم سے پارہ پارہ ہو جانے سے بچالے اور دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہوتا ہُوا اُسے اطمینان کی اُس بلند ترین چوٹی کی طرف لے چل جہاں دونوں جہانوں کا نظّارہ پیشِ نظر ہے اور جہاں کی لطیف ہوا انسان کو دُنیا کی پست ہوسوں سے بے نیاز کر دیتی ہے!

وہ دِن آگیا

میری دُعا قبول ہوئی؛
تیری دُعا قبول ہوئی!

میں اس قابل نہ تھا!
تُو اس قابل نہ تھا لیکن تیری دُعا
قبول ہوئی۔ تُو اب بھی اس قابل نہیں پھر
بھی تیری دُعا قبول ہوئی!

مَیں نے کیا کہا کہ میری دُعا قبول ہوئی؛
اپنے لئے تُو نے سب کچھ کیا اور کچھ بھی
نہ کیا میرے لئے۔ اِس پر بھی تیری دُعا قبول ہوگئی!

مَیں کیا کرتا تھا؛
تُو کہتا تھا لیکن کرتا نہ تھا!

اب مَیں کیا کروں؛
اب تُو کیا کر کہا نہ کر!

کیا کہا اکارت جاتا ہے؛
کہا اکارت نہیں جاتا،
اکارت کیا جائے کہ اکارت یہاں
کچھ بھی نہیں؛ اور تجھے کہنا ہی ہو تو تُو کہا
کر کم اور کیا کر زیادہ!

"جنگلی پھول کی سرائے" اکتوبر ۲۳ء

اُمید

جگر میں یاس قیامت اُٹھائے پھرتی ہے
اُمید سوچ میں بیٹھی ہے سر جھکائے ہوئے

کرۂ ارض پر یاس و حرماں کی سیاہ گھٹائیں چھا رہی ہیں، اِدبار کی تیز و تُند ہوائیں ساکن پانی کو جُنبش میں لاتی ہیں اور بحرِ ناپیدا کنار کی لہریں اِس طرح اُٹھتی اور اُترتی ہیں گویا اُن کا مد و جزر دُنیا کے دل کی دھڑکن ہے۔ ہلاکت کا دیوتا اپنی چیخ پکار سے نوعِ انسان کی بستیوں میں شدت کا اضطراب پیدا کر رہا ہے اور عالمِ موجودات کا ہر وجود اُس طوفانِ عظیم کے خیال سے کانپ اُٹھتا ہے جس کا آغاز اس قدر ہیبتناک ہے اور جس کا شباب یقیناً اس سے بڑھ کر جاں فرسا ہوگا۔ ایسے دلگداز وقت میں اسی کرۂ ارض پر ایک صورت تنِ تنہا بیٹھی ہے اُس کے غرور کو رنج و اندوہ نے سرنگوں کر دیا ہے، اُس کی آنکھوں پر مصیبت نے جفا کی پٹی باندھ دی ہے، وہ سر جھکائے اُس ساز کو تھامے ہوئے ہے جس کے ہر تار سے زندگی کے نغمے نکلتے ہیں۔ قسمت کے ہاتھوں ایک کے بعد دوسرا تار ٹوٹتا ہے یہاں تک کہ اب صرف ایک تار باقی ہے۔ تاریکی چاروں طرف کاجل کی طرح برس رہی ہے؛ ہاں ایک ستارہ ہنوز نمودار ہے اور اُس کی ننھی کرن اِس ظلمت آباد میں آوارہ و تنہا پھر رہی ہے ـــــ یہ

صورت کون ہے؟ اُمید! اور یہ جھلملاتی ہوئی روشنی اُمید کی آخری کرن! رنج و غم کے بادل گرج رہے ہیں مگر نغمۂ اُمید بدستور جاری ہے۔ تاریکی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی ہے مگر شعاعِ اُمید بدستور تاباں ہے!

کیا اِس نغمہ کو جواب نغمہ نہ ملے گا! گزرے ہوئے دلوں میں جب تار ایک دُوسرے کے ہم نوا تھے اور نغمے ایک دوسرے سے ہم آغوش تو موسیقی یوں تشنۂ وصال نہ تھی لیکن اِس ظاہری قرب میں کمالِ محبت کے لئے جگہ نہ تھی اور مطربِ حقیقی کو منظور یہ تھا کہ وہ سازِ حیات میں اپنے روز افزوں کمال کی راگنی سُنے جو اِس وقت تک بے ہنگم آوازوں کے ہجوم میں گم تھی۔ اکیلے تار سے جوشِ محبت کا نغمہ نکلنا تھا کہ حُسنِ ازل کی ہم آہنگی کائنات کے کونے کونے سے اِس کی پذیرائی کو بڑھی اور لاتعداد صداؤں کی آواز اَبَد کے گنبد سے ٹکرا کر مخلوقات کے ذرّے ذرّے میں نفوذ کر گئی! بادل جو توبرتو چھائے ہوئے تھے پھٹ گئے اور جہاں صرف ایک ستارا تھا وہاں ہزاروں لاکھوں ستاروں نے اپنی اپنی کرن سے زمین و آسمان کی تاریکیوں کو روشن و پُرنور بنا دیا!

اپنے ہر فعل کا اجر

اپنے ہر فعل کا اجر مجھے اِسی دُنیا میں مِل گیا۔

میں نے کبھی نیکی نہیں کی کہ میرا دل اندر ہی اندر خوشی سے لبریز نہ ہو گیا ہو! ایسے وقت میں میرے لطیف جذبات اِس طرح موجزن ہُوئے کہ میں اپنی دریا دِلی کے ساتھ دُنیا بھر کی تنگ خیالی سے بالا بالا نظر آنے لگا! جراُت میری رگ رگ میں سرایت کر گئی۔ میں نے جان لیا کہ میرے خالق نے صرف ایک چھوٹے سے فرض کے ادا ہونے پر اپنی خوشنودی کے ساتھ مجھے قوت اور اطمینان کا انمول ہدیہ بھیجا ہے! اور اِس کے لئے مجھے برسوں کیا کچھ ساعتیں بلکہ اِک لمحہ بھی انتظار نہ کرنا پڑا! میں نہیں جانتا وہ کونسا برقی قاصد تھا جو اِس دِل خوش کُن پیغام کو چشم زدن میں مجھ تک لے آیا! مجھے کچھ ایسا محسوس ہُوا گویا دل کے ظلمات میں شعاعِ نُور کا پرتَو پڑا جس سے یہ چشمہ شیریں بے تابی کے ساتھ بہ نکلا اور اِک دریائے بے کنار ہو کر وسعتِ ہستی میں پھیل گیا۔

اور اُدھر مَیں نے کبھی نیکی سے اجتناب نہیں کیا کہ میرا ضمیر میرے اِس باغیانہ انحراف سے پاش پاش نہ ہو گیا ہو! میں نے اِس شکست کو اپنی دلفریب تسلیوں اور پُرشور قہقہوں کے نیچے ہزار چھپایا اور چاہا کہ کسی طرح یہ راز میرے دِل پر بھی آشکار نہ ہو لیکن

یہ مصنوعی خوشی ایک بُلبلے کی طرح پھٹ پڑی اور میں دیوانہ وحشت زدہ ہو گیا۔ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہُوا کہ میرے ضمیر نے کمنہ مشقی کے باعث اپنی کج ادائیوں کا صحیح احساس نہ کیا لیکن پھر اِس فروگزاشت کی پاداش میں کسی اٹل قانون نے مجھے اِک مفرور ملزم سمجھ کر یُوں آدبایا کہ سانس تک لینی دُشوار ہو گئی۔ میرے دل نے گڑگڑا کر اور چلّا کر دُعا مانگی کہ "اب اپنے طرزِ عمل کو ضرور اِک نئے سانچے میں ڈھال لُونگا! کہتے ہیں اے خدا! تُو نادم دلوں کی سچی گزارش کو رد نہیں کرتا"! تو حق بر حق نے آواز دی کہ میں نے سُنا اور قبول کیا۔

لیکن اِس پر بھی میں ہوں کہ اُس کی چشم پوشی سے غلط فہمی میں پڑ کر بھُول جاتا ہوں کہ ایک ہستی ہے جو میرے نیک و بد پر ہر لحظہ نظر رکھتی ہے اور باغ حیات کے رنگین پھُولوں اور مُرجھائے ہوئے غنچوں کو اپنے نازک کانٹے میں تولتی رہتی ہے اور ایک ذرہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتی۔
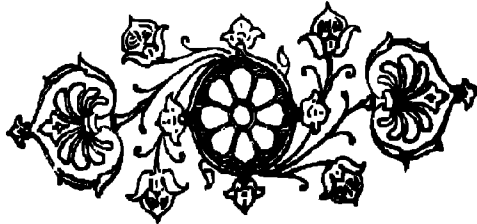
اوّل اوّل

اوّل اوّل جب میں نے آنکھیں کھولیں اور اپنے تئیں اِس تماشا گاہ میں پایا اور دیکھا کہ ہزاروں لاکھوں کھلونے میرے گرد و پیش بکھرے پڑے ہیں تو میں نے خیال کیا کہ یہ میرے لئے ہیں، میں نے اُن پر ہاتھ بڑھایا، بعض کو میں نے اپنی آغوش میں لیا لیکن اکثر کو توڑ پھوڑ کر ملیا میٹ کر دیا۔

بہت سی بہاریں اِسی طرح گزر گئیں؛ وہ ایک خزاں کا دن تھا جب میں نے جانا کہ حُسن و لطافت کے کیسے کیسے انمول تحفے میں نے اپنے ہاتھوں تباہ کر دیئے۔

دل نے کہا کہ تجھے اِن کو از سرِ نو بنانا اور تجھے ہی اِن کو پھر ترتیب دینا ہے۔

پھر میں سمجھا کہ یہ فقط میرے لئے نہیں بلکہ میں بھی اِن کے لئے ہوں!

زندگی کی تین راہیں

زندگی کی تین راہیں ہیں جو اسی ایک کی طرف جاتی ہیں جو سب کا سرچشمہ ہے۔
زندگی کی تین راہیں ہیں علم عمل اور عشق۔
علم کی راہ ہواؤں میں ہے عمل کی زمین پر اور عشق کی پانیوں میں۔
عالم اُڑتا ہے عامل چلتا ہے اور عاشق تیرتا ہے!
عالم کو فضا کی خاموشیوں اور تنہائیوں کا سامنا ہے، عامل کو ناہموار زمینوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے ہو کر گزرنا ہے، عاشق کو تیز رو دریاؤں اور طوفانی سمندروں کے اُس پار جانا ہے۔
علم کچھ جاننے کی تمنّا ہے، عمل کچھ کرنے کی خواہش اور عشق گھُل مِل جانے کی آرزو۔
علم سے دوسرے کا، عمل سے اپنا اور عشق سے اپنا اور سب کا پتہ ملتا ہے۔
علم جگ بیتی ہے، عمل آپ بیتی، عشق حق بیتی۔
علم اقرار ہے، عمل اظہار اور عشق احساس۔
علم اور عمل اور عشق، کیا الگ الگ ہیں؟ کیا ایک کا دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں؟
سچا علم وہ ہے جو جدو جہد کی راہ دِکھائے اور ہمارے دِل میں ہر شخص اور ہر بات

کی محبت کا خیال پیدا کرے، اچھا عمل وہ ہے جو ہمیں غور و فکر کی عادت ڈالے اور ہمیں دوسروں کے لئے کچھ کرنے کی ترغیب دیتا رہے اور حقیقی عشق وہی ہے جو ہمیں سچے علم کا راز بتائے اور اچھے کام کی راہ سُجھائے۔

علم اور عمل اور عشق، اِن میں کونسی راہ بہترین ہے؟

جب سب راہیں اُسی اِک بہترین کی طرف جاتی ہیں تو ہم کس کو راست اور کسے غلط کہہ سکتے ہیں؟

دُنیا میں کسی کو علم کی جستجو ہے، کسی کو عمل کا ذوق ہے اور کسی میں عشق کا جذبہ ہے یعنی کسی کو پرواز پسند ہے، کسی کو گلگشت اور کسی کو پیراکی و غوطہ زنی۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اِن میں سب سے اچھی کونسی ہے؟ سب سے اچھی وہی ہے جو سب سے اچھی طرح کی جائے!

کوئی علم کا دلدادہ ہے؛ وہ کائنات اور اُس کے اَسرار سے آگاہی چاہتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے "یہ دُنیا کیا ہے؛ چاند سُورج کہاں سے آئے ہیں؛ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟ وہ اکثر سوال کرتا ہے کبھی کبھی سمجھتا ہے کہ جواب پاتا ہے۔ وہ چیزوں کو دیکھتا بھالتا ہے باتوں کو سمجھتا بُوجھتا ہے لیکن چیزیں ہیں کہ نہ دِرتہ باتیں ہیں کہ تو بر تو نکلی چلی آتی ہیں؛ دامن پھیلاتا ہے اور جی ہی جی میں مُسکراتا ہے۔

کوئی عمل کا کارندہ ہے؛ وہ دُنیا اور اُس کی مصروفیتوں سے حظ اُٹھاتا ہے۔ وہ چیزوں کی کرید اور باتوں کی دریافت میں اپنا وقت نہیں کھوتا بلکہ کاموں کے پیچھے دوڑتا ہے؛ وہ "کیا کیا، کیوں کیوں" نہیں کرتا وہ "تھا" اور "ہوگا" کو جبھی مانتا ہے کہ

اُنہیں یہ ہے "کر دکھائے" گھر بار میں، سفر حضر میں، اُونچ نیچ میں مصروف ہے، مشغول ہے، منہمک ہے؛ وہ جنبش میں سکون، حرکت میں برکت اور کام میں آرام پاتا ہے؛ شہروں کو اُسی نے بسایا؛ سڑکیں بنائیں، باغ لگائے، کارخانے چلائے، عمارتیں کھڑی کیں، عدالتیں قائم کیں پھر ہزاروں ضرورتیں پیدا کیں جس سے کاموں کے لاکھوں سلسلے خود بخود جاری ہو گئے؛ غرض ہماری دُنیا کو اِک کارگاہ اور بازی گاہ اُسی نے بنایا۔

کوئی عشق کا بندہ ہے؛ وہ دوسرے میں محو ہو کر اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اُسے جاننے اور کر دکھانے کی پروا نہیں؛ وہ اپنے تئیں نامکمل سمجھ کر محبّت میں تکمیل اور ایثار میں اظہار کا ذریعہ تلاش کرتا ہے؛ وہ ایک جُز ہے جو اَور اجزا میں مل کر کُل ہونے کا تمنّائی ہے؛ اِس تلاش و تمنّا میں اُسے اپنی جان کی فکر نہیں بلکہ اپنے سوا ہر شخص اور ہر چیز کی بہبود اُس کے مدّ نظر ہے اور یہ اس لئے کہ اُسے اِسی کلفت میں راحت، اِسی دُکھ میں سُکھ اور اسی خود مٹ جانے میں سب کچھ پا لینے کا لُطف ملتا ہے؛ زندگی کی کرن جب اُس کے دل میں ہو کر گزرتی ہے تو قوسِ قزح کی سی رنگینیاں اُس میں سے پھوٹ نکلتی ہیں اور دُنیا اُس کے اور سب کے لئے اِک آسمانی دُنیا بن جاتی ہے۔

زندگی کی اِن راہوں پر چلنا ایک حد تک آسان ہے کیونکہ فطری ہے؛ لیکن اِن کا طے کر لینا سخت دُشوار ہے اگرچہ پا لینے کی آرزو انسانِ ضعیف کو اکثر دھوکے میں ڈال دیتی ہے کہ بس تُو نے پا لیا اور پھر خود غرضی کی فتنہ سامانیاں رہ رہ کر رخنہ اندازی کرتی ہیں اور ایسے ایسے سوانگ بھرتی ہیں کہ نقل پر اصل کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

کتنے اربابِ علم ہیں جو یہ سمجھ کر کہ وہ سب کچھ سمجھ گئے کچھ نہ سمجھ سکے یا جن کے علم و فن کی کارستانیوں نے اِک دُنیا کو تباہ کر دیا! کتنے کام کرنے والے ہیں جن کی کارگزاریوں نے زندگی کو دوزخ کا نمونہ بنا دیا اور کتنے والہانِ محبت ہیں جنہوں نے پاکیزہ جذبات کو آلودہ خواہشات کا جامہ پہنایا۔

حق یہ ہے کہ نیک نیّتی زادِ راہ ہو تو زندگی کی ہر راہ پر چلنے والا اُسی شاہراہ پر جا پہنچتا ہے جس کی منزلِ مقصود خدا کا گھر ہے۔ خُدا ایک ہے لیکن" اُس تک پہنچنے کی راہیں اُتنی ہی ہیں جتنی اِنسانوں کی رُوحیں"!
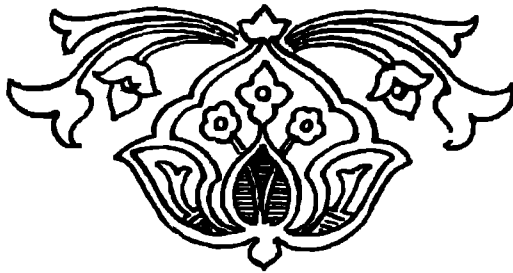
تُو جس کی ہنسی اُڑاتا ہے

تُو جس کی ہنسی اُڑاتا ہے اپنے تئیں اُسی کے حال میں سمجھ لے اور غور کر۔

خدا نے انسانوں کی بستی اس لئے آباد کی ہے کہ اُس کے رہنے والے اپنی ترقی کے ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی کیا کریں۔ —— لیکن اصلاح ہنسی اُڑانے سے نہیں ہوسکتی، کیونکہ نفرت تنزل کا سبب ہے اور ترقی کا صحیح ذریعہ صرف سچی محبت ہے۔

تُو جس حالت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کیا خود عُمر بھر کبھی اُس حال میں نہیں رہا؛ تُو جو اَوروں کی لغزش پر ناک بھوں چڑھاتا ہے کیا یہی یا ایسے ہی گناہ تجھ سے سرزد نہیں ہوئے؛ کیا تُو قول وعمل میں کچھ ایسا ہی صادق اور ثابت قدم رہا کہ تیرے پاؤں زندگی کی راہ پر ذرا نہ لڑکھڑائے؛ گناہ کی اُن گھڑیوں کو یاد کر جب تُو نے اَوروں کا بُرا چاہا، یا جب حسد کی آگ نے تیری رُوح کو جلا کے خاکستر کر دیا، یا پھر وہ ساعت جب تُو ایک محسن کی تباہی کی دعائیں مانگ رہا تھا اُس خُدا سے جو خود تیرے علم میں ایک کے کہے پر کسی دوسرے کو ملیامیٹ نہیں کرتا!

بھلا! یہ تو سوچ کہ کب سے تُو اپنی ہٹ پر قائم رہا کب سے اپنے ظاہری اِنکسار میں تُو نے ایک تباہ کُن غرور کو چھپائے رکھا، تُو نے فاقہ مرنے والوں کے ہوتے نفیس کھانوں

سے لطف اُٹھایا اور مال و دولت کو اپنا پیدائشی حق سمجھا، مدتوں تُو اپنے رنگیں خیالوں کے طیارے میں اُڑا کیا اِس حال میں کہ نوع انسان اپنی مصیبتوں میں پڑی کراہ رہی تھی۔

تُو ہمیشہ یہ کہہ کر دِل کو تسلی دیتا رہا کہ دُنیا میں لاکھوں مجھ سے زیادہ سیاہ دل ہیں اور ہزاروں مجھ سے زیادہ کمینے! اِنہیں میں سے بعض پر تُو ہنستا ہے! اور اسی زُعم میں ایسے لوگوں پر بھی پھبتی اُڑاتا ہے جو تجھ سے زیادہ نیک دِل ہیں۔ تُو نہیں سمجھتا کہ دُنیا حقیقت میں کچھ ایسی نہیں جیسی نظر آتی ہے اور چیزیں جو دکھائی دیتی ہیں دراصل پردوں پر پڑے ہوئے پردے ہیں جن کی اصل سے انسان آگاہ نہیں۔

تُو دیکھ کہ جب تجھے اپنے جسم و روح کی ماہیت کا پورا علم نہیں تو اَوروں کے بھید کی تجھے کیا خبر ہو سکتی ہے! کیا تُو کامل یقین رکھتا ہے کہ تُو ضرور نیک خصلت ہی ہے؛ کیا ممکن نہیں کہ واقعات کی وہی رغبتیں اور حالات کی وُہی مجبوریاں تجھے بھی اُسی بُری حالت میں گرفتار اور بے دست و پا دیکھتیں جو اس غریب کی ہے؛ کیا یہ اغلب نہیں کہ تُو بھی عیش و عشرت کے قدموں میں بالکل اسی طرح بیکس و بے اختیار ہو کر لوٹنے لگتا؛ اِن باتوں پر غور کر اور تُو جس کی ہنسی اُڑاتا ہے بس اپنے تئیں اسی حال میں سمجھ لے اور خاموش ہو جا!

جس نے عُسرت کا منہ نہ دیکھا

جس نے عُسرت کا مُنہ نہ دیکھا، وہ زندگی کی حقیقت سے ناآشنا رہا! جس کی آنکھیں کبھی غم کے آنسوؤں سے لبریز نہ ہوئیں اُس نے دُنیا کی اُونچ نیچ کا نظارہ نہ کیا۔

خوشیاں اے ہمدم! دلکش و دلفریب ہیں اور غم جانگداز، لیکن وہ اکثر سراب آفریں ہوتی ہیں اور یہ عموماً حقیقت نُما۔

رنج والم اضطراب انگیز ہوتا ہے اور عشرت سکون آمیز، لیکن جوہڑ میں پانی کثیف ہوتا ہے اور بہتی ہوئی ندی میں لطیف و پاکیزہ۔ سمندر میں طوفان اُٹھتا ہے تو ساکن پانی میں شدت کی بے قراری پیدا ہو جاتی ہے لیکن بحرِ ناپیدا کنار کی پاکیزگی فقط اِسی بے کلی پر موقوف ہے۔ بادل گرج کر جسم میں سنسنی پیدا کر دیتا ہے اور بجلی چمکتی ہے تو آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے لیکن تیرہ و تار جنگل میں تنہا مسافر کا رستہ اُسی سے مُنوّر ہے۔

دُنیا میں کوئی وجود نہیں جس کے نفس میں گاہے گاہے بے چینی پیدا نہ ہو اور کامل سکون تو زندگی کے لئے عین موت ہے۔

اے وہ جو سربفلک محلوں میں متمکن ہو کر اپنے نادار بھائیوں پر غلط انداز نظر ڈالتا ہے! کیا تو نہیں سمجھتا کہ خس کے جھونپڑے میں رہنے والا مزدور اپنے خدا کے زیادہ قریب ہے!

اُس نے تنگ دستی کے سینکڑوں دِن کاٹے ہیں اور اپنے بال بچوں کی فکر میں اُس کی اکثر راتیں بیداری میں گذری ہیں۔ وہ جس کی وزنی جیب میں سونے چاندی کے سکّے جھنکار پیدا کر رہے ہیں کیونکر جان سکتا ہے کہ سُوکھی روٹی اور ٹھنڈے پانی کے گھونٹ میں نعمتِ خداوندی کی کیسی شیرینیاں چھپی ہیں، وہ جو دن رات مسرّتوں کے پیچھے بے تابانہ دوڑتا ہے اُسے کیا معلوم کہ اُس کے ننھے بچے کی ہلکی مُسکراہٹ میں کس ضیاءِ آسمانی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں!

اے بدبخت جس کی قسمت میں دنیا بھر کی راحتیں لکھی ہیں اور کاوش ذرا نہیں اگر تُو چاہتا ہے کہ تیرے رُوحِ رواں میں زندگی کی رَو دوڑے تو اپنا لاکھ کا گھر خاک کر دے اور قدرت کی بے نیازی سے اپنی فطرت کو مالا مال ہو جانے دے؛ وہ کم مایہ جس کو تُو نے ابھی حقارت کی نظر سے دیکھا ہے جب کڑی دُھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر اُس کے دو آنسُو ٹپکے ہیں تو اِس دردمندی پر فرشتوں کا دل پسیجا ہے۔ تُو دنیا سے کُوچ کریگا تو ساز و سامان کے ساتھ دفن ہوگا اور چند ساعتیں اخباری یا کاروباری دُنیا میں تیرے اُٹھ جانے کا ذکر ہوگا لیکن وہ جان دے گا تو شانِ کریمی ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ اُس کے استقبال کو آئے گی اور پھُولوں کے ایک خوبصُورت خاموش کنج میں اُس کا مسکن ہوگا اور یہ اِس لئے کہ تُو عُمر بھر اَوروں سے مُنہ پھیر کر فقط اپنے نفس کی پرورش میں منہمک رہا لیکن اُس کی جان نے زندگی کے سارے دُکھ خود سہے اور کسی دل کو ایذا نہ دی۔

انور آرم شملہ
جون ۱۹۲۱ء

کبھی کبھی جی میں آتا ہے

کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ عشرت کی اِس غلامانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر اپنے آزاد رو بھائیوں کے زُمرے میں جا ملوں، عُسرت کا مُنہ دیکھوں اور قناعت سے پیار کروں، حادثاتِ زندگی سے بے خطر ہو جاؤں اور زمانے کی اُونچ نیچ کو اپنی اِن آنکھوں سے دیکھ لوں، دنیا کی بے اعتنائیوں پر مسکراؤں اور دوستی کو درماندگی کی کسوٹی پر پرکھ کر جھوٹا ثابت کر دوں۔

لیکن عشرت کی محبت آہ! اِس غلامی کی اُلفت پیچھا نہیں چھوڑتی کہ اپنے نفس سے رہائی ہو! وہ سَو سَو بہانے ڈھونڈتی ہے! کہتی ہے تیرے اقربا تیرے ایثارِ نفس پر دُنیا کی سختیاں کیوں جھیلیں، بلکہ خود مجھے عُسرت کی خوفناک تصویریں دِکھا دکھا کر تنبیہ کرتی ہے یا صرف یہ کہہ کر پھسلا لیتی ہے کہ تھوڑی مُدت تو اَور اِس زندگی سے حظ اُٹھا لے۔

اِس پر پھر پُرانی روش کا مُقلِّد ہو کر میں دولت و عشرت کے قدموں میں لوٹ جاتا ہوں اور اپنے آپ کو پھر اُنہیں کم مایہ سی خوشیوں میں کھو دیتا ہوں! ہاں! جب کبھی بُھولے بھٹکے وہ بھلی ساعت پھر آجاتی ہے تو دل ایک لمحے کے لئے سہی مگر بے اختیار اپنی بدبختی پر آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے اور کہتا ہے "اُٖے اِس دُنیا کی زندگی!"

بیکسی خدا کو پیاری ہے

بھکارن کو درشتی سے نہ دھتکار، بیکسی خدا کو پیاری ہے اور جو اُسے محبوب ہیں تو اُنہیں نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھ۔

اگر تیری فطرت صحیح احساس سے خالی ہے تو آنکھیں جھکا لے اور اپنی سنگدلی پر آنسو بہا۔ اگر تو دل رکھتا ہے تو کسی دِل کو دُکھ نہ دے، اشکبار آنکھوں پر فرشتوں کا جگر ٹکڑے ہوتا ہے اور دُکھے ہوئے دل کی دردناک آواز عرش تک جا پہنچتی ہے کیونکہ بیکسی خدا کو پیاری ہے اور وہ اپنے غم زدہ بندوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہے!
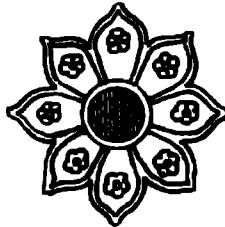
علم اور زمانہ

دُنیا، زندگی کی یہ شاندار دُنیا، خدا جانے کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے اور زمانہ بظاہر اس دُنیا پر حکمران، نہیں معلوم کب سے اپنا مضبوط اور بے تاب قدم بڑھائے چلا آتا ہے؛

ہم نہیں جانتے یہ کہاں سے آیا اور کہاں کو جاتا ہے؛ اپنی لکنت بھری زبان میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جن سرزمینوں سے یہ ہماری زمین میں آیا اُن میں ایک ہم سے دُور، بہت دُور ہے اور دوسری ہمارے قریب اور ہمارے موجودہ وطن سے ملحق، وہ ہے زمانۂ قبلِ تاریخ جسے ہم گویا خواب میں سوچ سکتے ہیں اور یہ ہے زمانہ تاریخی جسے ہم گویا خیال میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس خطۂ زندگی میں ہماری آرزوئے کمال پیکرِ علم بن کر زمانہ کے ساتھ ساتھ رہی ہے اور جہاں جہاں اُس نے حقیقت کے اچھوتے پھول دیکھے ہیں اپنا دامن اِن کی رنگینیوں سے بھر لیا ہے یہاں تک کہ آج اِس گلچینی کے طفیل ہماری زندگیاں سراپا بہار ہو چکی ہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ نوعِ انسان بامِ ترقی پر چڑھ چڑھ کر گری ہے اور جہاں پہلے تھی وہیں ہے؛ حیف ہے کہ کوئی اپنی ناشکری کا یوں اظہار کرے!

علم اور زمانہ

یہ علم کے چُنے ہوئے پھول جو ہم نے زمانے کے ہاتھوں پائے ہیں کیا انہیں کے رنگیں بیجوں سے ہر انسان نے اپنا اپنا اِک جُدا باغ نہیں بنا لیا ؛ اور کیا نوعِ انسان نے ایسے چمنستان تیار نہیں کر دیئے جن میں ایک لمحے کی گلگشت بھی ہزاروں خوشیاں اپنے اندر مستور رکھتی ہے ؛ یہ پھول! یہ نیکوں کی نیکیاں، عاقلوں کی یہ عقلیں، بہادروں کی یہ ہمت، انہیں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہیں نخوت، غلطی، تشدد ؛ خوش قسمت ہیں وہ جنہیں ربِ ذوالجلال نے غور کرنے اور سمجھنے کی توفیق دی، بدبخت ہیں وہ جن کے نفس بے سوچے سمجھے جا بجا بھٹکتے پھرے۔

کتنے رنگین و دلکش ہیں وہ چمنستان جہاں ہر کہ ومہ کو آنے جانے کی عام اجازت ہے جہاں انسان کی قسمت خوشیوں کی ندی کے کنارے اپنی جد و جہد سے مطمئن ہے۔

یہاں کے کس کس گلزار پر اپنی جان نثار کریں، یہاں کے کس کس پھول کو اپنا دل دے دیں ؛ ارسطو، بدھ، محمد، ژان دارک، نانک کس کس کے قدموں کو چومیں، کس کس کی گفتار و کردار کو سُن دیکھ کر جوش و مسرت سے زندہ و بے خود نہ ہو جائیں!

حرص وہوا کو چھوڑ دے

حرص وہوا کو چھوڑ دے! تیری حرص تیری خوشیوں میں مزاحم ہوتی ہے وہ تجھے زندگی کا لطف نہیں اُٹھانے دیتی۔

تُو کبھی مطمئن نہ ہوگا جب تک ہوا وہوس کی رنگ آفرینیوں سے تُو اپنا مُنہ نہ پھیر لے۔ وہ کوشش جو ہوس کے پیچھے دوڑتی ہے کلفت ہو جاتی ہے۔ خوشی وہ نہیں جو فکر وتشویش کو اپنا پیش خیمہ بنائے! خوشی وہ ہے جو اچھے کاموں کے کرنے میں آپ سے آپ پیدا ہو۔

سچی خوشی میٹھے نغموں سے زیادہ شیریں اور دلفریب نظاروں سے زیادہ دلکش ہے! اس کی شیرینی مستعار نہیں اس لئے عارضی بھی نہیں! اُس کی دلکشی مصنوعی نہیں اسلئے نظرفریب بھی نہیں۔

کوہستانی درختوں کی ٹہنیاں آسمانی ہواؤں کے انتظار میں بے صبری کا اظہار نہیں کرتیں۔ وہ خاموش کھڑی رہتی ہیں جب تک ہوا کا پہلا جھونکا اُنہیں جھُومنے کا پیام نہ دے، وہ ذرا جُنبش نہیں کرتیں جب تک ہلکی پھُلکی نسیم اُن سے ہم آغوشی کے لئے قدم نہ بڑھائے، جب ہوائیں آتی ہیں اُنہیں خوشی کی راگنی سناتی ہیں تو وہ بھی اُن کے ساتھ مل کر محوِ رقص ہو جاتی ہیں! پھر یہ تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ ہوا سے متاثر ہیں یا ہوا اُن سے ——— تُو بھی مصنوعی مسرت کو دل دے کر آپ سے آپ عیش وعشرت کا دلدادہ نہ ہو جا بلکہ انتظار کر یہاں تک کہ سچی خوشی تیرا دامن پکڑلے!

سیدھے رستے چل

سیدھے رستے چل اگرچہ تو تنہا ہی کیوں نہ ہو! صرف لوگوں کے ساتھ ملنے کے لئے اُن کے پیچھے نہ ہولے۔

راستی عموماً تنہا رہتی ہے لیکن اپنی تنہائی میں مسرور و شاداں! اُس کا گزر اکثر تاریک رستوں سے ہوتا ہے لیکن اس تاریکی میں وہ ہمیشہ بے خوف رہتی ہے کیونکہ وہ اِک نورانی ہستی ہے جس کی پیشانی میں رنگ رنگ کی روشنیاں کھیلتی ہیں۔

کج روش لوگوں کے لئے تنہائی ہمت سوز ہوتی ہے اور خاموشی جانگداز، وہ اپنی کمزوری سے گریز کرتے ہیں اور غیروں کی صحبت و قوت میں پناہ ڈھونڈتے ہیں! اپنے نفس کی آواز کو وہ دُنیا کے شور و غل میں غرق کرنا چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ کس طرح اپنے ہاتھوں اپنی شخصیت کو ہلاک کر رہے ہیں۔

سیدھے رستے چل اگرچہ تو خسارہ اُٹھائے! اگرچہ تو دنیا کے جاہ و حشمت کو کھو بیٹھے۔

تیری یہ مستعار دولت، تیری یہ مسرّت و خوشی کب تک تیری دلی نقاہت کو تجھ سے چھپائے رکھے گی؟ آخر کب تک تُو اِن کلیوں کا ہار اپنے گلے سے لگائے رکھے گا جو زہر ملے کانٹوں کی طرح روز بروز تیرے جان و جگر میں پیوست ہوئی جاتی ہیں؟

تُو شیوہ راستی اختیار کر اور دیکھ کہ قوت کس طرح تیرے دل میں اُمڈی چلی آتی ہے، اطمینان کیونکر تیرے لئے اپنا سائبان پھیلا دیتا ہے! فقط باہمی ستائش کے لئے لوگوں کی خالی اور بے بنیاد عشرتوں میں حصّہ نہ لے اگرچہ وہ تجھے خشک مزاج اور واژوں طبع ہی کیوں نہ کہیں۔

خوشی زندگی کے لئے آبِ حیات ہے لیکن عشرت خوشی نہیں۔ عشرت تو اِک بناوٹ ہے جو خوف یا بے مائگی کو عارضی مسرت کا فریب کار جامہ پہناتی ہے اور سچی خوشی وہ ہے جو ایک بے داغ اور خود آگاہ ضمیر کی جھلک سے پرتو افگن ہو۔

تُو سیدھے رستے چل اگرچہ کچھ دنوں اپنی علیحدگی میں تُو ناخوش ہی کیوں نہ رہے، کیونکہ یہ عارضی کلفت جوہرِ اطمینان ہے اور اُس مسرت کی آغوش میں پرورش پاتی ہے جو انسان کے دِل میں چھپی ہوئی ہے اُس چشمۂ شیریں کی طرح چھپی ہوئی جو کسی دُور اُفتادہ وادی کو اپنے بہتے ہوئے پانی سے سرسبز و شاداب رکھتا ہو، تو بھی فطرت کے ربط سے ضبطِ نفس حاصل کر اور ہمیشہ سیدھے رستے چل اگرچہ جادۂ زیست میں تُو تنہا اور بے یار و مددگار ہی کیوں نہ ہو!

اپنے جسم و جان میں وہ حالت پیدا کر

اپنے جسم و جان میں وہ حالت پیدا کر کہ تُو اُن کی ہر وقت کی دیکھ بھال سے فراغت پالے اور اپنے دل و دماغ کو اُن شکوک و شبہات سے بے نیاز ہو جانے دے جو تیری زندگی کو اک بوجھ کی طرح دبائے ہُوئے ہیں۔

"تُو اپنی زندگی کو گھاس کے ایک تنکے کی طرح صاف و سادہ بنا لے!" ننھے سے ننھے جھونکے سے متاثر ہو جا اور ہلکی سے ہلکی ہوا کے استقبال کو ہر گھڑی تیار رہ۔ لیکن آنے والے اور گذرے ہوئے وقت کی یاد میں نوحہ خوانی نہ کر۔

اِن بہت سے سالوں کے بوجھ کو اپنی گردن سے اُتار ڈال اور اپنے بھُولے ہوئے بچپن کو پھر پالے اگرچہ کھائی کھیلی دُنیا تجھے کن آنکھیوں سے کیوں نہ دیکھے یعنی گزرے ہوئے مہینوں اور سالوں کو اکارت سمجھ اور اِس اپنے گھاٹے پر ذرا بھی شرمسار نہ ہو بلکہ دل میں اک اِسی شئے پر فخر کر کہ تو نے اپنی کمیوں کو دیکھ لیا۔ اِس سے پہلے کہ زمانے کی کتاب تیرے لئے تمام ہو چکی اور تُو قبر کے اندھیرے کونے میں جا لیٹا۔

وہ وقت جو تیرے سامنے کسی نامعلوم سمندر کی مانند پھیلا پڑا ہے اُفقِ عالم پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک تیری کشتیٔ حیات چلتی رہے گی اِس کی انتہا تجھ سے گریز پا

رہے گی، تو اِس نازک سی کشتی پر دُنیا کے عناصر کو غالب نہ آنے دے بلکہ عمر کی رہی سہی گھڑیوں کو اسی کے ربط وضبط میں صرف کر تاکہ کوچ کے وقت جب سمندر زیادہ طوفانی ہو جائے تو اِس لمبے سفر کے لئے تیری تیاری کسی طرح بھی ناتمام نہ ہو۔
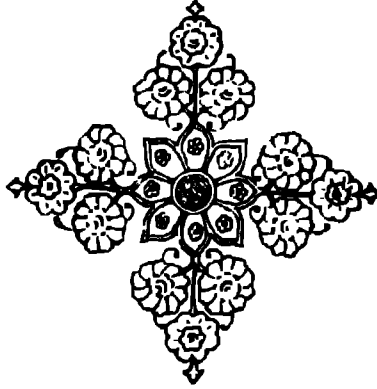
رقص و سرود سے کنارہ کر

رقص و سرود سے کنارہ کر اور جا آسمانی موسیقی کے دریائے پاک میں غوطہ زن ہو!
گمراہ گیتوں سے دُور بھاگ اور اِن ناچتی ہوئی راگنیوں کا احسان اپنے کانوں پر نہ لے۔
تنہائی کے راگ کو ہوش کے کانوں سے سُن اور قدرت کی دلکش آوازوں کو اپنے دماغ میں
بس جانے دے ✦

صرف بند محلوں میں بیٹھ کر ستار بانسری کا زر خرید گانا نہ سُن بلکہ باہر کھُلی ہواؤں میں قدرت
کی دریا دِلی کا نظارہ کر۔ دیکھ صبح ہوتی ہے تو چمن کی چڑیاں پہاڑ کی سبز گھاٹیوں میں اپنی راگنی چھیڑ
دیتی ہیں! خاموش جنگل کان دھر کر سُنتے ہیں اور پہاڑوں کی دُنیا اِس شیریں گونج سے آباد ہو
جاتی ہے۔ خوفناک مُعلق چٹانوں کے بیچوں بیچ آبشار شور کرتا ہُوا نیچے کے پتھروں پر گرتا ہے
اور لاکھوں ننھی آوازیں مِل جل کر ایک نہ تھمنے والے راگ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

قُدرت کے مخملیں فرش پر لیٹے ہوئے میں نہیں جانتا کہ میں کن خیالوں میں گم ہوں؛ شاید یہ
محسُوس کرتا ہوں کہ اِسی طرح میرا نفس بھی زندگی کی پُر پیچ گھاٹیوں میں کسی دُور دراز پھلواڑی میں اپنا گیت
گا رہا ہے گویا اِسی طرح میرے جذبات دنیا کی سنگدلی پر اپنا سر پٹک پٹک کر اپنے وجود کو پارہ پارہ کر رہے ہیں
جس سے ایک رقیق و شیریں آواز پیدا ہوتی ہے اور یہی میرے دل کے ساز کے لئے زندگی کا پورا راگ ہے!

موت سے نہ ڈر

موت سے نہ ڈر؛ موت فنا نہیں ہے، وہ تیری ہستی کو ملیامیٹ نہیں کرتی، صرف اُس کا نام خوفناک ہے اور اس کا کام تو ہمیشہ زندگی کو نئے سے نئے سانچے میں ڈھالتے رہنا ہے۔ موت سے ڈر کر اُسے بدنام نہ کر، اپنی آرزوؤں کے دُکھ درد میں مبتلا ہو کر تو بیسیوں دفعہ موت کو پکارتا ہے لیکن جب آخرکار یہ طبیب آتا ہے تو تُو پھر فریبی دُنیا کی گود میں اپنا مُنہ چھپا لیتا ہے۔

موت مریضِ زندگی کی سب سے اچھی معالج ہے۔ وہ تیری خودساختہ مصیبتوں کو سمجھتی ہے اور جانتی ہے کہ تیرا انکھ تیرے اختیار سے باہر ہے۔ وہ جسم کو تباہ کر دیتی ہے تاکہ روح کو اِک تازہ زندگی بخشے۔

موت سے نہ ڈر۔ موت صرف رُوح کا قالب بدلنا ہے اور زندگی کو فنا کبھی نہیں۔ بزدل زندوں کو موت بارہا آتی ہے اور مُردہ صُورتیں تو نئے لباس پہن لیتی ہیں۔ مرنا جینے کے لئے ہے جیسے خزاں بہار کے لئے۔ کلی کملا جانے کے ڈر سے بند نہیں رہتی؛ وہ اپنی نازک پنکھڑیاں کھول کر کچھ دنوں بہار کی ہوا میں لہلہاتی ہے اور خوش خوش اُس سُنہری گھڑی کا انتظار کیا کرتی ہے جب خزاں اُس پر اپنا زرد پلّا

پھیلائے اور وہ مٹی میں مل کر پھر نکلے اور ایک خوبصورت پھول بن کر کھل جائے۔ کچھ اسی طرح جسم آنکھیں بند کرتا ہے تو رُوح اُڑنے کو اپنے پَر کھول دیتی ہے۔ وہ ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے جیسے صبح کی ہوا کے جھونکے اور کائنات میں چاروں طرف پھیل جاتی ہے جیسے خوشبو فضائے چمن میں!
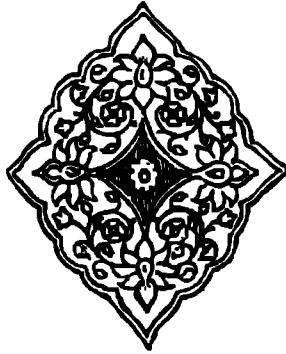
قبر کا بھید

یہ ہے "عفریت قبر کا بھید چھپائے ہوئے"!

کوئی بھید نہ تھا جسے انسان نے کھول کے رکھ نہ دینا چاہا؛ کوئی بات نہ تھی جس کی کُنہ اُس نے دریافت نہ کی؛ کوئی خیال نہ تھا جو اُس کے جی میں نہ آیا؛ کوئی ذرّہ تک نہیں جس کے اُس نے ہزار ٹکڑے کر کے اُس کے اندر کی دنیا باہر نہ کر دی۔

یُوں تو اُس نے لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا سُن کر بظاہر سرِ نیاز جھکا دیا لیکن لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے احساس پر اُس نے سرِ طغیان و غرور کو پھر اُٹھایا اور جو کچھ بھی سامنے آیا وہ اُس سے گتھم گتھا ہو گیا۔ پہاڑ اُکھاڑ کر رکھ دیئے، زمین کے پیٹ میں سلاخیں گاڑ دیں، آسمان کی فضا میں ہوائی بھوت اُڑا دیئے، اُونچے سے اُونچے پہاڑ کی چوٹی پر جا دھمکا، گہرے سے گہرے سمندر کی تہ تک جا پہنچا، بڑے سے بڑے لق و دق صحرا کی تنہائیوں میں خلل انداز ہو گیا —— یہ "انسانِ ضعیف البُنیان"!

یہ تو خیر درست تھا، روا تھا، شاید مقدر تھا لیکن اُس نے نادرست کو دُرست، ناروا کو روا، مقدر کو غیر مقدر کر دینا چاہا بلکہ مستور کو آشکار کر دینے کی ٹھان لی —— دُنیا ڈر گئی، سہم گئی، دبک کے بیٹھ رہی، ستاروں میں سرگوشیاں ہونے لگیں، کائنات

کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک کھلبلی پڑ گئی کہ خدا کی خدائی آشکار ہو چلی، لپٹی ہوئی کھولی گئی، چھپی ہوئی پائی گئی، جانی گئی پہچانی گئی!

دفتر دفتر کے محافظ بڑھے لپکے دوڑے کہ اِس ڈاکو کو روکیں پکڑیں باندھ لیں لیکن یہ بادی چور یہ زمین و آسمان کا تانتیا بھیل روکے کب رُکتا تھا، باندھے کب بندھتا تھا، اُچھلا پھاندا کودا دَوڑا اور کہیں کا کہیں نکل گیا!

خدا جو ہمہ تن نیکی ہے جسے دنیا جہان کی بہبود مدِ نظر ہے اُس نے اِس سرباز و سرکش کو سرزنش کا چابک لگایا اور محض بھگانے کی خاطر خوب دوڑایا بھگایا کہ اِس کے حواس ٹھکانے نہ رہیں اور یہ وقت سے پہلے اَن دیکھی چیزیں دیکھنے اَن کیے کام کرنے کے پیچھے نہ پڑ جائے ——— لیکن اِس عہد شکن پر اب اعتبار کیا ہوتا، سو نیکی کے سردار نے بھونڈی بھدی بھیانک ہستیوں کو اُبھارا کہ وہ اُس بھید کو جس کا ابھی بھید بنے رہنا ہی سب کے لئے مفید ہے، اپنے سر بمہر ظرف میں چھپائے رکھیں۔

اے انسان! تُو بھی ابھی مَوت کا راز چھپا ہی رہنے دے تاکہ تجھ پر زندگی کے صحیح معنی آشکار ہوں!

سوجا

سوجا، اطمینان سے اپنے بستر پر سوجا۔

بیداری سے کتنی زیادہ شیریں ہوتی ہے نیند میٹھی نیند جب انسان کے ساتھ اُس کی بے تابی، اُس کا غرور، اُس کے دھوکے اور اُس کا علم و ہنر سبھی گہری نیند سوجاتے ہیں!

سوجا اور آج کی زندگی کو بھول جا! سوجا اور کل صبح نور کے تڑکے پیشتر اس سے کہ چڑیاں سوئے ہوئے فتنے جگادیں خود جاگ اور اِک ایسی نئی بیدار دنیا میں قدم رکھ جو تیری اِن کاوشوں کے لئے ایک مطمئن جدوجہد کا پیغام لائے!

اور یہ نہ ہو تو پھر سوجا! آرام و اطمینان کے ساتھ، لطف و سکون کے ساتھ، ایسا کہ پھر کبھی اِس خونخوار، روشن، گرد آلود دنیا میں تو اِس فتنہ ساز سورج اور اِن چاند تاروں کو نہ دیکھے! وہ نیند ہو اِک مسلسل خمار کی سی نیند جس میں جُنبش کو دخل نہ ہو، جو اِک پیارے سپنے سے معمور ہو کر کسی آسودہ فضا میں تجھے اپنے ہلکے پروں پر اُٹھائے ہوئے نہیں معلوم کدھر کو لے چلے!

اپریل ۲۲ء
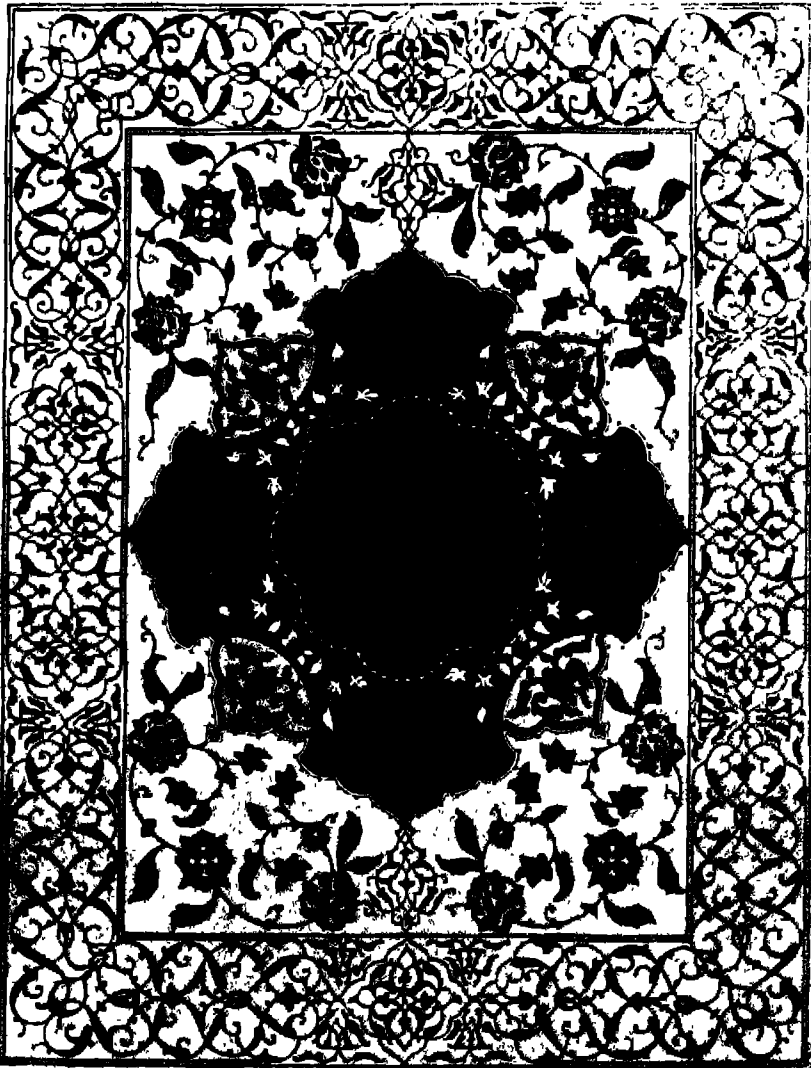
پُوجا

میں پُجاری ہوں پُجاری!

جب میں ابھی بچہ تھا چُپ چاپ مریض منحنی اور میرے ماں باپ میرے بچپن سے گھبراتے تھے تو میں اپنی نانی اور خالہ اور نانا سے لپٹا رہتا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا اور مجھے ہم عمروں میں آوارہ گردی کی اجازت نہ ملی تو میں اپنی آپا، اپنی الماری، اپنے کمرے اور اُس کے ایک ایک کونے سے چمٹا رہتا۔

جب میرے دماغ میں ا ب ت ڈالی گئی اور خشک کتابوں کی زنجیروں نے مجھے جکڑ لیا تو میں نے مذہب و شاعری سے ربط پیدا کر کے اُن کو اپنا تنہا رازدان بنالیا۔

میں جو پُجاری ہوں ہمیشہ پُجاری ہی تھا۔

برسوں میں اپنے دل کے نگارخانے کو آراستہ و پیراستہ کرتا رہا کہ کوئی شاید کوئی اُس کی سیر کو اِدھر آنکلے لیکن اِس خاموش گنبد میں صرف تنہائی کی آوازیں رات دِن اپنا سر پٹکتی رہیں سو جب اَور کوئی بُت نہ مِلا تو میں اپنے رنج و الم ہی کی مُورتی کے آگے ہاتھ جوڑ کر یُوں گر پڑا کہ آسمانوں پر سے پُکار اُٹھی کر دیکھیو لیجیو یہ پُجاری ہے پُجاری۔

پھر قسمت نے اَور چال چلی اور میری فطرت نے ایک اَور فریب کھایا! کسی کی کمائی

ہوئی دولت میری ہو گئی جس نے مجھے اپنی تنگ آغوش میں لے لیا ؛ تو میرا کیا تھا میں گوشہ گیر اُس سے بھی ہمکنار ہو گیا ۔

پھر جب مَیں نے اِک رفیقِ زندگی کو حاصل کیا تو محض اُس کی خوشی اپنا معمُول ہو گیا ؛ اُس کے نام پر ایک مندر کھڑا کر دیا لیکن شاید ایک پیکرِ محبت ہی کی پرستش مجھ بے وفا پُجاری کو کافی نہ ہوئی ! سو مَیں نے مندر کے نزدیک و دُور اپنے تصوّرات و توہّمات کا ایک بے پایاں باغ و صحرا پھیلا دیا جس میں خیالوں کے پھولوں کی اور کبھی کبھی کامرں کے ذرّوں کی پُوجا میں نے بڑے شد و مد سے شروع کر دی ۔

مَیں جو ہمیشہ اِک پُجاری تھا اب بھی اِک پُجاری ہی ہوں !
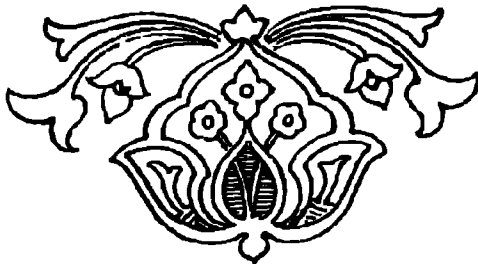
چاندنی رات میں
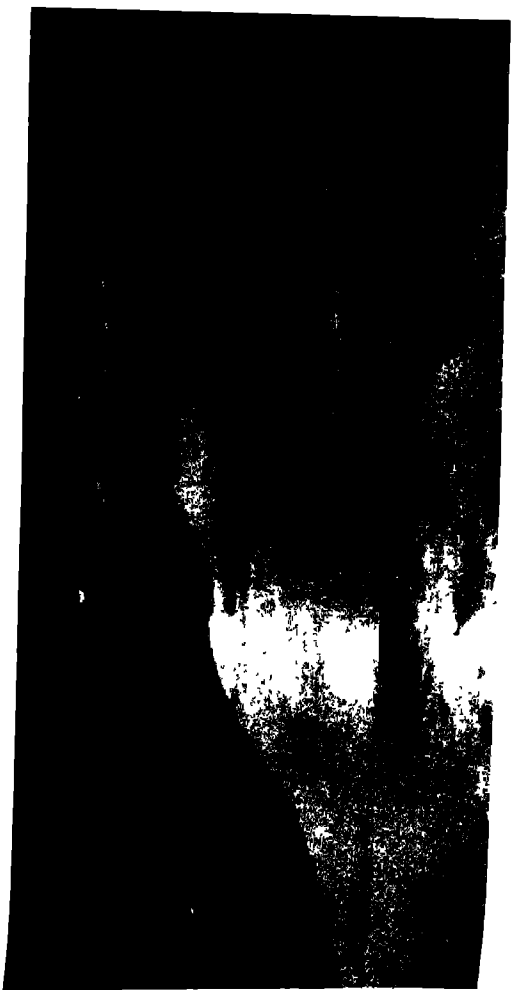
چاندنی رات میں

چاندنی رات میں، دامنِ پاک کے کنارے، جب چاند بکھرے ہوئے بادلوں کی جھلملیوں سے سوتی دُنیا کو اپنی سرد و سیمیں کرنوں کے ساتھ جھانک رہا ہو، بچپن کے گزرے ہوئے دنوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

برسوں گذر گئے، اِسی جھیل کے کنارے، تاروں بھری رات میں، مجھے دُنیا میں اُس کی موجودگی کے ساتھ زندگی کا لُطف حاصِل تھا جو اب چاند کی شکل میں میری تاریک راتوں کو اپنے نت نئے جلووں سے منوّر کئے ہوئے ہے۔

کتنے حسین و سادہ تھے طفلی کے وہ دن جب بہتی ندیوں کے کنارے تُو اور مَیں اے دوست! اپنے معصوم کھیل کھیلتے تھے، کاغذ کی ناویں بہاتے تھے، جب نسیم سحر کے مَس پر یا چڑیوں کے چہچہوں کو سُن کر ہم ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور مُسکراتے تھے، ہم نہ جانتے تھے کیوں؟ ہم جاننا نہ چاہتے تھے کس لئے؟

ایسی تھی ہماری باہمی رفاقت، جو اَب اِک دلفریب خواب بن کر صرف چاندنی

شاہانِ مغلیہ کے عہد میں ڈل جھیل کو جو سری نگر کے نزدیک پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ دامنِ پاک کہتے تھے۔

راتوں میں یاد آتی ہے۔

آہ! وہ دن کہاں گئے؛ وہ دوستی کیا ہوئی؛

مجھے تو اِس خاموش ساحل پر کشتی ڈالے مدّتیں گزر چکی ہیں۔ نسیم صبح آتی ہے اور میں کانپ اُٹھتا ہوں کہ ایسی ہی نرم و نازک تھی میری طفلانہ اُلفت جسے میں نے کھو دیا! سُورج کی شعاعیں سطح آب پر اپنا اضطرابی رقص کرتی ہیں اور میں اپنے دست و پا میں بے چینی سی محسوس کرنے لگتا ہوں کہ ایسا ہی شوخ اور بے تکلف تھا میرا کھیل کود جسے میں نے اپنے ہاتھوں ضائع کر دیا۔

اکثر جی میں آتا ہے کہ اِس ساکن کشتی کو جو ساکن پانی پر بیکار پڑی رہتی ہے توڑ پھوڑ کر دُور بہت دُور کسی چنار کے ٹہنوں میں ایک معلّق جھونپڑا بناؤں اور اُسی میں روز و شب تنہا رہا کروں ـــ لیکن اُمید تیرا مسکراتا چہرہ شبِ ماہ کے بادلوں میں مجھے دکھاتی ہے اور میرا دِل لپک کر رہ جاتا ہے۔

آفتاب کی آخری لرزتی ہوئی سنہری راہ پر اَے دوست! اور شام کی دُھندلی روشنی میں میری بیکار کشتی کو اپنے ننھے چپوؤں سے، اپنے اُن بچپن کے ننھے خوشنما چپوؤں سے چلا اور مجھے بھی کھینے کا حکم دے کہ میں پھر دُنیا کی اصلی زندگی کو اِک نظر دیکھ لوں۔

اُف! ظالم ہوا کوہ کے دامن سے دامن چھڑا کر پانی کی روانی کو چھُوتی ہے گویا محبت سنجیدہ بندشوں سے آزاد ہو کر حُسن کو پیار کرتی ہے اور چاندنی پہاڑ کی چوٹیوں پر جلوہ ریز ہے یعنی فروتنی رفعت سے ہم آغوش ہو کر میٹھی نیند سو رہی ہے۔

پھولوں سے بھینی بھینی خوشبوئیں نکلتی ہیں اور پہاڑوں سے ہلکی ہلکی ہوائیں چلتی ہیں؛ فضا میں چاندنی، چاندنی میں نسیم، نسیم میں نکہت اور نکہت میں تیری محبت کی یاد تیرتی پھرتی ہے ——— آہ! چاندنی رات میں کسی کشمیری جھیل کے کنارے اِک خوابِ سیمیں کے اندر کھو جانے میں زندگی کا لُطف ہے!

غرض کی دوستی اے دل! سُورج کی عُریاں روشنی میں چلتی پھرتی ہے لیکن محبت کی دوستی، کچھ ایسا محسُوس ہوتا ہے کہ وہ، صرف چُپ چاپ چاندنی راتوں میں محوِ خرام ہوتی ہے! کیا میں اُس کھوئی ہوئی دولت کو پا سکتا ہوں؟ وہ ننھی ننھی تتلیوں کی طرح لہرانے والے نازک خیالات کیا پھر میرے بے تاب سینے میں موجزن ہو سکتے ہیں؟ نہیں نہیں! جب تک اپنے گم کردہ بچپن کو پھر نہ پا لُوں گا اُس خیالی محبت کا خوابیدہ حسُن نہ دیکھوں گا۔

وہ معصوم زمانہ جب ہر شئے مجھے حسُن کا اِک خوبصُورت کھلونا معلوم ہوتی تھی اِس مخمُورِ علم عہد میں کیونکر واپس آئے جب سُورج کی کرن کرن میرے لئے ہر وجُود کے نقائص ہی پر روشنی ڈالتی ہے۔

ہاں! چاندنی راتوں میں بچپن کے گزرے ہوئے دنوں کی یاد چاند کی کشش بن کر میرے دل کی سب سے پوشیدہ گہرائیوں میں اِک ہلکا سا تموّج پیدا کر دیتی ہے۔

میں دل سے پُوچھتا ہوں کہ "کیا میرا بھی کوئی دوست ہے"؟ وہ کہتا ہے کہ "ہاں بہت مگر یُوں کہ کبھی وُہ تجھ سے کچھ غرض رکھتے ہیں کبھی تو اُن سے کوئی مطلب"۔ میں بھی اُن سے مطلب رکھتا ہوں؛ مَیں جو بے غرضانہ دوستی کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں مجھے بھی

در اصل اپنی ہی غرض سے واسطہ ہے - حیف ہے مجھ پر کہ اس روشن دُنیا کی خودکامی کا سرچشمہ میرا ہی نفس ہے۔

اے یادِ طفلی کے چاند! تُو سیاہ بادلوں کے پیچھے چھُپ جا! اے مُہیب رات! تُو اپنی تاریکی کا آنچل مجھ پر ڈال دے کہ میں خود فراموشی کی نیند سو جاؤں۔

ڈل، کشمیر
ستمبر ۱۷ء
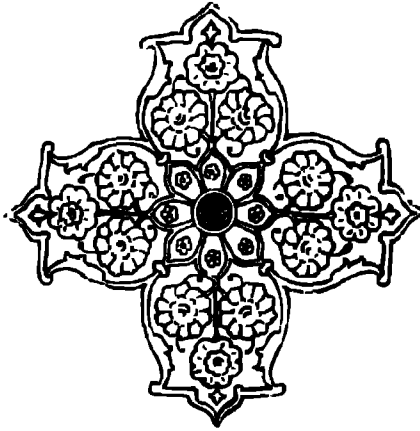
باغوں کے پھول

باغوں کے پھول، سمندروں کے موتی، پہاڑوں کے ہیرے، اے جان! سب
تیرے لئے ہیں اور تُو اِن سب سے محروم!
پھولوں میں خوشبو ہوتی جو وہ تیرے بالوں میں پروئے جاتے،
موتیوں میں دمک ہوتی جو وہ تیرے گلے کا ہار ہوتے،
ہیروں میں چمک ہوتی جو وہ تیری انگوٹھی کا نگینہ بن جاتے،
لیکن اب تو
پھول مُرجھا رہے ہیں، موتی بے آب ہو رہے ہیں، ہیرے داغ دار ہوئے جاتے ہیں،
کیونکہ
تُو آہ! تُو اِن کی قسمت میں نہیں!

میں سوچ ہی رہا تھا کہ اِن پھولوں اور موتیوں اور ہیروں کا اِک ناچیز سا
ہدیہ تیری خدمت میں پیش کروں کہ رات کی تاریکی میں دُور بہت دُور تاروں کی انجمن
سے کسی نے مجھے آواز دی:

اُٹھالے اپنے یہ پھول اسمیٹ لے اپنے یہ موتی اسنبھال لے اپنے سبھی ہیرے
کہ اے کم نظر! مدّت ہوئی مَیں نے اُس کو
نیکی کے پھولوں کا ہار، حُسن کے موتیوں کی مالا اور محبت کے ہیروں کی انگوٹھی
پہنا دی تھی!

وہ
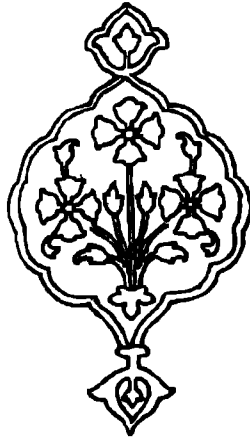
وہ دُنیا کی محفلوں میں دُور گمنام گوشوں میں بیٹھتی تھی، اُس کے عزیز و اقربا اُس کی نیک طینتی کے دلدادہ تھے اور اُس کی قابلیت اپنے ہم جنسوں سے دوچار ہوتے بھی شرماتی تھی۔

پھر جب محبت اُسے اپنے باغ میں لے گئی تو اُس کی آواز پرندوں کے چہچہوں سے زیادہ شیریں اور اُس کی نگاہیں رنگیں پھولوں سے زیادہ دلفریب ہوگئیں؛ اُس کی بات بات سے حسن و خوبی ٹپکنے لگی اور اُس کے ایک ایک اشارے سے فطرت کی چھپی ہوئی قوتیں رُونما ہوگئیں۔

محبت اُس کے لئے ترقی کا زینہ ثابت ہوئی اور وہ اُس پر چڑھتی ہوئی آسمانِ زندگی کا چمکتا ہوا تارا بن گئی!

کسی روز

دُنیا کی گرد آلود کہکشاں نے میری اور تیری محبت کے تاروں کو مُدت سے جُدا کر رکھا ہے۔

ہم دُور ہی دُور ٹمٹماتے ہیں اے جان! ہم دُور ہی دُور آنسو بہاتے ہیں۔
تُو مشرق میں تاروں کے ایک جھرمٹ سے الگ اور میں مغرب میں مہِ زرد رُو سے کچھ دُور پڑا ہوں۔
وہ ٹمٹماتے تارے اور یہ زرد سا کملایا ہُوا چاند تیری آرزوئے اُلفت اور میری تمنائے محبت کی پیاری آرام گاہیں ہیں ---- لیکن ہم خود تو دُور ہی دُور ٹمٹماتے ہیں اے جان! دُور ہی دُور آنسو بہاتے ہیں کیونکہ
دنیا کی گرد آلود کہکشاں نے میری اور تیری محبت کے تاروں کو مُدت سے جُدا کر رکھا ہے۔

آہ اَے دُور اُفتادہ رفیقِ زندگی! محبت کی وفا کیا دُنیا بھر کی جفائیں سہنے کے لئے تھی؟ محبت کیا اِس لئے دِلوں میں ضیا ریز ہوتی ہے کہ اُس کی پاکیزہ روشنی جدائی کی تاریکیوں میں یُوں بھٹکتی پھرا کرے؟ ——— ہائے! نہیں محبت تو سینوں میں اِس

لئے چمکتی ہے کہ اُس کی نرم و نازک کرنیں مِل جُل کر دُنیا کی ظلمات کو اپنے آسمانی نور سے منوّر کر دیں!

ہم کیوں دُور ہی دُور ٹمٹمائیں۔ اے جان! ہم کیوں دُور ہی دُور آنسو بہائیں؟ اگر دُنیا کی گرد آلود کہکشاں نے میری اور تیری اُلفت کے چمکتے تاروں کو جُدا کر دیا ہے تو کیا غم ہے کہ جب تک تیرے حُسن میں معصومی اور میری محبت میں صداقت کی قوت ہے اُس وقت تک اے جانِ جاں! اِس جدائی کی کچھ حقیقت نہیں اُس وقت تک ہمارے دِل اِس زبردست اُمید سے معمور ہیں کہ کسی روز حُسن و محبت کی متحدہ قوتیں قسمت کے میدان میں دُنیا جہان کی پُرفریب زحمتوں کو فاش شکست دے کر ہمارے لئے زندگی کی راہ صاف کر دیں گی۔
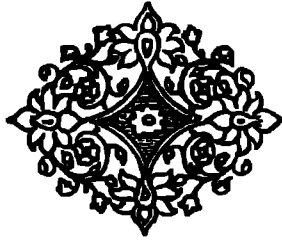
جیسے ایک ڈگمگاتی کشتی کے لئے اُس کا چپّو ہو ویسے ہی میرے لئے تُو ہے ۔

میری زندگی کے سمندر کے اندر ہی اندر جذبات کی موجوں نے بیسیوں دفعہ پہلو بدلا، تصوّرات کے چھپے ہوئے طوفانوں نے بارہا اپنا سر اُٹھانا چاہا گو میری ظاہری زندگی کی سطح بدستور ساکن و خموش ہی رہی ۔

میری اِن پنہاں کشمکشوں نے میرے نفس کی کشتی کو تلوّن و اضطراب کا اِک کھلونا بنا دیا لیکن وہ تُو ہی ہے جس نے اپنی سمت نمائی سے اِس "فلسفیانہ" تلوّن کو استقلال کا اور اِس "علمی" اضطراب کو عملی تسکین کا دل خوش کن پیام دیا اے رفیقِ زندگی !

اے محبّت

اے محبّت! تُو نے زندگی کو بیش بہا بنا دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اُسے اِس دُنیا میں تنہا چھوڑ کے جاؤں کیونکہ میں جانتا ہُوں کہ میرے بغیر دُنیا باوجود اپنے گنجان شہروں کے اُسے سُونی نظر آئے گی اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے اِس دُنیا میں تنہا چھوڑ کے چل دے کیونکہ میرا دل محسوس کرتا ہے کہ دُنیا مجھے اُسی کے آئینۂ حیات میں منعکس نظر آتی ہے اور اِس تماشا گاہِ عالم کی سب رنگینیاں میرے لئے اُسی کی سادہ زندگی سے رنگ پکڑتی ہیں۔

تُو نے زندگی کو بیش بہا بنا دیا ہے اے محبّت!

دہلی
مارچ سنہ ۲۰ء

مجھے وہ موتی مل گیا جس کی مجھے اِک عمر تلاش رہی۔

دُنیا سے دُور بہت دُور، ایثار و محبت کے بیابان میں مجھے وہ موتی مل گیا جس کی مجھے مدت سے تلاش تھی۔

گرد و پیش کوسوں تک دیکھتا ہوں، دیکھتا ہوں کہ کوئی رہزن نہیں جو اُسے مجھ سے چھین سکے؛ ہاں غیب سے اِک یہ آواز میرے دِل میں آ رہی ہے: "کوئی رہزن نہیں لیکن کہیں تُو ہی اپنا رہزن نہ بن جانا اے قبضہ کرنے والے!"
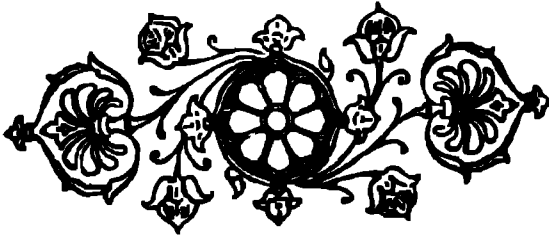
دُنیا سے دُور

دُنیا سے دُور، باغوں کے اِک کھوئے ہوئے سِلسلے کے اندر، پھُولوں کی نازک ٹہنیوں کے کانپتے سائے میں، جب شام اپنا سونا زمین پر نچھاور کر رہی تھی، میں اور وُہ ننھی پتیوں کی اِک سیج پر بیٹھ گئے —— آہ اے ہماری نشِست گاہ!

پھُولوں کے سائے تلے، ڈُوبتی ہوئی کرنوں سے منوّر، دنیا جہان کی آنکھوں سے اوجھل —— اے ہماری مبارک نشست گاہ! کاش تُو ہم دونوں کا مشترک مزار ہو کر رہ جاتی!

اے شیریں رنگیں شام! دُنیا سے دُور حُسن کے باغوں میں، اے میری پھولوں والی شام! تیرا شکریہ کہ تُو نے دائمی محبّت کا ہار، کرنوں کے تار میں پھولوں کی خوشبوئیں پرو کر، میری اور اُس کی گردن میں حمائل کر دیا!

کبھی بھُول سکتی ہیں اچھے دوست! وہ سنہری گھڑیاں جب تیری محبت کے

پیارے مکھڑے کو میری غمگین آہ میری اندوہگین معصومی نے اپنے پاکیزہ آنسوؤں سے دھویا؟

وہ موتیوں سے زیادہ بے بہا، وہ تاروں سے زیادہ منوّر، وہ چاند کی کرنوں سے زیادہ نُورانی آنسو جو تیری پیاری خَلوت میں میری آنکھوں سے چھلک آئے، بلا اختیار، دنیا سے دُور، پھُولوں کے اِک جُھرمٹ میں، میرے اچھے دوست! برسوں سے میرے دِل کے ساغر میں بھرے پڑے تھے!

نہیں نہیں! چل پھر کھیلیں اُس دُور دراز باغ میں، سفید و شیریں پھُولوں کی ہلکی پھلکی ٹہنیوں کے سائے میں، درختوں کے جھُرمٹ کے اندر، جہاں پکھیرو اپنے نرم و نازک پَر پھڑ پھڑاتے ہیں، جہاں اِنسان کا گذر نہیں، جہاں دنیا کی شورش نہیں، وہاں چل کھیلیں، شام کو نہیں، صبح کی تر و تازہ گھڑیوں میں اور اب کی میں نہ روؤں گا، میرے دوست ابکی میں نہ روؤں گا!

مجھے رستے پر لے چل اے جان! مجھے سیدھے رستے پر لے چل —— میں ہوں بھکاری نیکی کا، مجھے سیدھے ہی رستے لے چل!

مجھے باغ میں لے چل اے جان! مجھے باغ میں اُس چمن میں، اُسی گلزار میں لے چل —— میں ہوں بھکاری حُسن کا، خوبصورتی کا، رعنائی کا: مجھے تُو اپنے ہی باغ میں لے چل! اے جان اپنے ہی باغ میں!

مجھے اور اپنے تئیں سمندر کو لے چل اے جان! سمندر کو، اُبھرنے اُچھلنے والے، طوفان والے، آسمان والے سمندر کی طرف اے جان! جہاں محبت کی کشتی میں ہم دونوں اِک طوفانی زندگی کا سفر طے کریں؛ اُٹھ اور چل اور مجھے بھی لے چل!

اِک بھبھوکا سا

اِک بھبھوکا سا اُٹھتا ہے میرے سینے میں اور شعلے سے لپکتے ہیں میری بے تاب آنکھوں سے!

کب اے دِل! کب بھلا کسی کو یہ موقع ملتا ہے کہ محبت میں اپنی فطرت کو مضبوط اور دلیر اور پاکیزہ بنالے؛ نہ کھو ان قیمتی گھڑیوں کو نادان! عمر فانی ہے اور وقت تھوڑا! دوست کم ہیں اور صداقت نایاب؛ دلِ زار دیکھ کہیں اِس محبت کو چشم و گوش کی لذتوں میں کھو نہ دینا! فقط عارضی مسرت میں اے میرے دل اے میری جان! اپنی رُوح کے سچے موتیوں کو خاک و خون میں نہ بکھیر دینا! اے پیار کے بھوکے پیاسے! اب کہ تو مِل گیا اُسے اور وہ تجھے! آہ کیسی شیریں گھڑیاں آنے والے وقت میں تم دونوں کی منتظر کھڑی ہیں تم دونوں کی! یہ موقع برسوں میں، عمروں میں، صدیوں میں، بھُولے سے، کبھی، کسی کو، میرے اچھے دوستو! ملتا ہے کہ دِل دل سے مِلے اور رُوح رُوح کی ہمصفیر ہو اِس ہوا و ہوس کی پُرشورش دُنیا میں! سو نہ کھونا تُو اور وہ اِس روحانی دولت کو جو قسمت نے تم دونوں کے قدموں میں بکھیر دی ہے! جسمانی دُوری میں، روحانی قُرب سے، اے میرے ہم راز دِلو! پالینا محبت کی حقیقت کو، حقیقت کی قوت کو! کبھی نہ

چھوڑنا اِک دوسرے کا دامن دُنیا کے جمِ غفیر میں، بڑھے چلنا، بڑھائے چلنا اِک دوسرے کو، نوعِ انسان کو، دُنیا کو، کائنات کو، بڑھے چلنا خدا کی طرف جو تمہیں دو مِلے ہوئے دِلوں کی طرف کب سے بڑھا چلا آتا ہے!
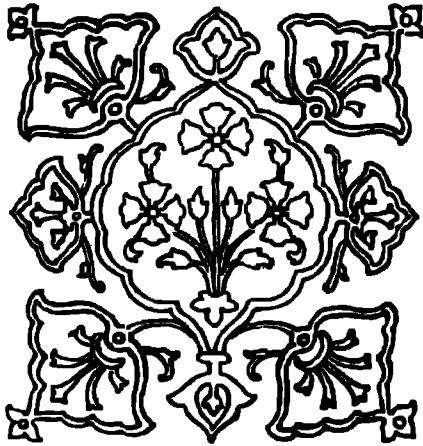
سالگرہ

آج ہے سالگرہ میری دوست میرے! کیا یہ خوشی کا دن ہے یا غور و فکر کا؟ آج کس طرح خوشیاں منانی چاہئیں؟ آج کیسے ارادے کرنے چاہئیں دوست میرے!

میں محسوس کرتا ہوں کہ آج میری زندگی میں سکون کا اک دن ہے، وہ دن جب مجھے اور دنوں کی قدر و قیمت جاننی ہے! یہ دن سال میں ایک دن ہو اگر باقی سارے دنوں کو یہ اپنے آپ سے بڑھا دے، اگر یہ دکھا دے اُس جلوے کو جو ہر دن کی صبح و شام میں عیاں ہے اور پنہاں!

میں نے ارادہ کیا کہ آج وہ کہوں گا اور وہ کروں گا جس میں کچھ جدت ہو مگر نہ کہہ سکا اور نہ کر سکا، کہنا اور کر سکتا کچھ نہ کچھ آج اگر کل بھی کچھ کہہ چکا اور کر چکا ہوتا۔

زندگی اے دل! کوئی آسانیوں کی بازی گاہ نہیں، وہ اک دشواریوں کا پہاڑ ہے، پہاڑ جس کے ہر موڑ پر خوبصورتیوں کے جلوے ہیں، رنج و الم کے ہولناک غار، مایوسی و بزدلی کی بے آب و گیاہ گھاٹیاں، جہل و ناآگہی کی خوفناک چٹانیں سروں پر جھکی ہوئیں! لیکن کیا انہیں غاروں کے اندر مسرت کی خلوتیں، کیا انہیں گھاٹیوں میں عزم و اُمید کی چمن آرائیاں نہیں؟ کیا انہیں چٹانوں کے شانے پر سے اُن دور دراز وادیوں

کا نظّارہ دکھائی نہیں دیتا جن کی ایک جھلک پر زندگی کی دُشواریاں آسانیوں سے بڑھ کر عزیز ہو جاتی ہیں؟

ہاں! اُتریں گے ہم اُن غاروں میں، دوڑیں گے ہم اُن گھاٹیوں پر اور چڑھ جائیں گے ہم اُن چٹانوں کے اُوپر میں اور تُو اے دوست! اور شامل کر لیں گے خلوت میں اپنے خدا کو خوشبوؤں میں اپنے بہن بھائیوں کو اور زندگی کی تحصیل و تکمیل میں ساری دُنیا کو!
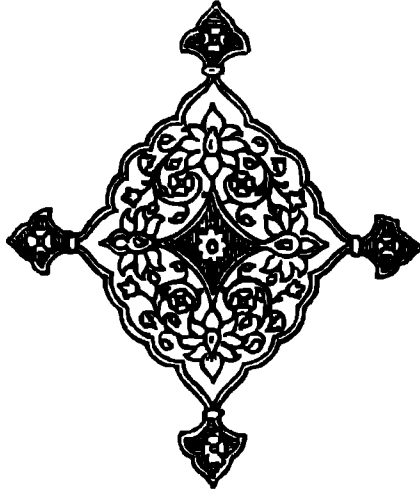
تُو وہاں اور مَیں یہاں

آخوش ہو جائیں اِس جُدائی میں۔ تُو وہاں اور مَیں یہاں! مسرور و مطمئن، صابر وشاکر، مصرُوف و منہمک خدا کی باتوں میں دُنیا کے کاموں میں!

آخوش ہو جائیں اِس جُدائی میں، تُو وہاں اور مَیں یہاں! کھیلیں کودیں بچوں کے ساتھ، ملیں جُلیں اُن سے جنھیں ہماری حاجت ہو۔

آخوش ہو جائیں سردیوں کی دھوپ میں، سُورج کی کرنوں سے! آگلگشت کریں باغوں میں، جھیلوں کے کنارے، نہروں کے آس پاس! حسین چیزیں دیکھیں اور دِل کو حُسنِ عمل سے معمُور کر لیں، دُکھ درد پائیں تو ہمدردانہ تذکرے چھیڑ دیں جا بجا مَیں اور تُو!

آ مسرور، تاریک، ابر آلُود دِلوں کو اپنے تبسّم سے روشن و پُرنُور کر دیں! تبسّم محبّت کی اُمیدوں کا، محبت کی شاندار ممکنات کا! اِن جھلملیوں سے جھانکیں مَیں اور تُو، جُدائی میں، اِک دوسرے سے دُور بہت دُور، آ مِل کر جھانکیں!

آخوش ہو جائیں محبت کے غموں میں، آ برسوں کو مہینے اور دِنوں کو تانیے سمجھ لیں آ جھولیں محبت کے ہلکے پُھلکے جھولے میں اِک دوسرے کے پاس ہی پاس گویا اِک دوسرے سے دُور، تُو وہاں اور میں یہاں!

کیسے روکوں آہوں کا یہ طُوفان ؟ کہاں سمائے آنسوؤں کا یہ سمندر ؟

وہ پاس نہیں !

لا اے محبت ! اپنے زمین و آسمان ! وہ جس کے ملنے کو دِل اک بسمل کبوتر کی طرح تڑپتا ہے اُس کی دید نصیب میں نہیں !

دِکھا اے خدا اپنا جلوہ !

کب ختم ہوگا یہ مدّوجزر ! اے محبّت کے بے پایاں سمندر ! کب ؟ کیوں برپا ہے یہ طوفان بے چینیوں کا ؟ کیوں ؟ آہ ! کیسے پار اُتروں گا مَیں زندگی کی اِس ڈگمگاتی کشتی میں ؟ کیسے اے سمندر ! ؟

اک ہرن کی طرح جو کسی نیستان میں اپنی ہی مشک سے آوارہ ہو کر مارا مارا پھرتا ہو مَیں بھی اپنی محبت کے ساتھ دُنیا کے بیابان میں روز و شب سرگرداں ہوں !

آج چاندنی رات ہے اور میری چاندنی تُو ہے !

جس طرح لاکھوں میل سے چاند کی کرنیں دُنیا تک پہنچتی ہیں اِس طرح نہیں اِس سے زیادہ اچھی طرح، صاف وشفاف سرد وشیریں اور نرم وگداز ہو کر تیری محبّت کی کرنیں ہر لحظہ میرے دل میں اُتر رہی ہیں خدا جانے کہاں کتنی دنیاؤں کے پار سے؛

اب کوئی لمحہ نہیں ہوتا جب تُو میرے دل میں موجود نہ ہو!

کسی نظارے کو مَیں کیا دیکھوں کہ ہر جگہ تیرا ہی حُسن ہے! کسی کی آنکھوں کے اندر کیا نگہ ڈالوں کہ اب اُن میں بھی مجھے تیری ہی نگاہیں تیرتی معلوم ہوتی ہیں! رنگوں کی رنگینی بڑھ گئی ہے، پھُولوں کی خوشبو زیادہ ہو گئی ہے، پرندوں کے چہچہوں میں اِک اَور ہی موسیقی ہے اے جان! اور یہ اس لئے کہ اب کوئی لمحہ نہیں جب تُو میرے دِل میں موجود نہ ہو!

اچھا جو ہونا ہے سو ہو، مَیں تو اَے قسمت دُنیا اُسی کو سمجھوں گا جس میں وہ موجود ہو! دُنیا ہُوا کرے دُنیا کے لوگ ہُوا کریں اور جو ہونا ہے سو ہو لیکن میرا جی تو یہی سمجھے گا!

اے محبّت کے شیریں خواب! لپیٹ لے اپنے رنگیں بادلوں میں اُسے اور مجھے!
اے محبّت کے اُبھرتے سمندر! ڈبو دے اپنی نیلی نیلی موجوں میں اُسے اور مجھے!
اے محبّت کی جگمگاتی روشنی! منوّر کر دے جُدائی کی تاریکیوں میں اُس کے
اور میرے دل کو!
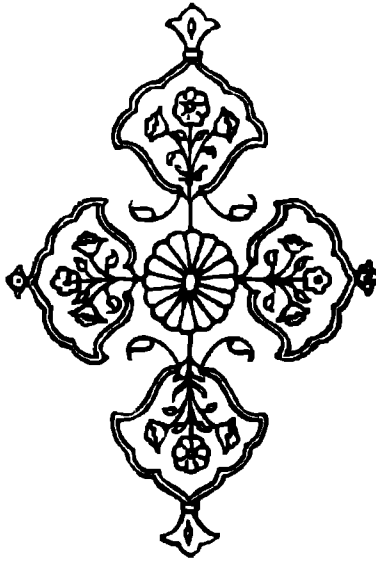
کیا تحفہ لے جاؤں تیرے لئے یہاں سے؟ پھُول لے جاؤں؟ وہ مُرجھا جائیں گے! ہیرے موتی لے جاؤں؟ وہ ٹوٹ پھُوٹ جائیں گے! کوئی خوشنما ملبوس لے چلوں؟ وہ جلد ہی، تار تار ہو جائے گا!

پھر کیا تحفہ لاؤں تیرے لئے یہاں سے؟ میرے رنگیں پھُول، میرے شرمیلے موتی، میرے جھلملاتے تارے!

کیا کچھ لاؤں تیرے لئے یہاں سے؟ اگر میرے سینے میں دِل ہو جو اک دُکھی کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے، جو اِک اپاہج کو دیکھ کر کانپ جائے، جو اپنے عیش و آرام کی ہنسی کو سُن کر آنسوؤں میں بہ نکلے تو وہ دل مَیں تیرے لئے لاؤں میرے اچھے محبوب!

یہ دل جو تیری محبت سے لبریز ہونے کا دعوےٰ رکھتا ہے فی الحقیقت آرام سے عیش سے غفلت سے ہم کنار ہے: تیری محبت اُس دِل میں ہو جو بیکسوں کے لئے سوگوار ہو اور اُن کی اعانت کو بے قرار اے صادق دل اے شیریں نگاہ!

کٹھن ہے اپنی رُوح کو سنوارنے اور اُبھارنے کا کام دلِ زار! لیکن انعام بھی آسمانی و جاودانی ہے کسی کا دِل پا لینے اور اپنا آپ بڑھا لینے کا انعام ——— آہ! کتنی مسرتیں ہیں انسان کے لئے کل اگر آج وہ اپنا کام کرے!

دیدِ دوست

وہ ساعت کس قدر حسین و محبوب ہے جب بچھڑے ہوئے دِل اِک دوسرے
سے مل جائیں!
جدائی اپنے ہزاروں آنسوؤں سے وہ لعل تیار کرتی ہے جس کا نام دیدِ
دوست ہے!

آ تجھ سے محبت کروں میں ایسی جیسی تجھے مجھی سے ملی اور مجھی سے مِلے گی!
آ مجھ سے محبت کر تُو ایسی جیسی مجھے تجھی سے مِلی اور تجھی سے ملے گی!
اے موتی میرے! آ اپنے سمندر کی خاموش گہرائی میں، یہ زمین و آسمان تو فقط طوفان
کا گھر ہیں اے پاک دِل!

آتا ہے تیرا وفادار تیرے سامنے!

کس لئے وہ آتا ہے شیریں دوست؟
تجھ سے ہم کنار ہونے کو؟
تیری آنکھوں کو اپنے لبوں سے چھو لینے کو؟
تیری آغوش میں اپنا سر رکھ دینے کو؟
نہیں اے دوست! وہ آتا ہے کہ آکر تیرے پہلو میں خاموشی سے کھڑا ہو
جائے آنکھیں جھکائے ہوئے!

مَیں اور تُو ملتے ہیں، میں اور تُو تنہا!
یہ نامہ و پیام کا وقت نہیں
یہ شعر و نظم کی ساعت نہیں
یہ بات چیت کی گھڑی نہیں میرے دوست!
اِس زرّیں لمحے میں میں اور تُو صرف ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں!

جسم دو ہوں لیکن جان ایک ہی
دل دو ہوں لیکن تڑپ ایک ہی،

آنکھیں چار ہوں لیکن اُن میں ایک ہی نگاہ،
مَیں اور تُو ہوں لیکن میں تیرے حُسن کا آئینہ اور تُو میری محبت کی جلوہ گاہ!

وہ پیاری گھڑیاں، وہ ہماری گھڑیاں! باہمی محبّت کی، باہمی مسرّت کی وہ سُنہری لڑیاں! وہ ہار جو آج تک روح کے گلے میں پڑا ہے شہرت کی، عظمت کی لاکھ جیت سے زیادہ بیش قیمت ہے میرے دوست!

تیری محبت نے میری زندگی کو بیش قیمت بنا دیا ہے!
میرا ہر آنسو موتی بن گیا ہے، میری ہر آہ خوشبو بن چکی ہے، میرا ہر خیال الہام ہو رہا ہے! شکریہ تیرا اور تیری محبّت کا!

دوست میرے! لے چل مجھے اپنی خلوت میں
لے چل مجھے اُن شاہی باغوں میں
لے چل مجھے اُس شہزادی کے گلشن میں

جہاں دوست میرے ! مروّت کا مسکن ہے،
جہاں دوست میرے ! محبت کا گلشن ہے،
جہاں دوست میرے ! وفا کے سدابہار پھول کھلتے ہیں اور کھلتے ہی رہتے ہیں
وہاں دوست میرے !

کس طرح ادا ہو تیرا شکریہ محبت کی اِن زریں ساعتوں کے لئے؟ تیرے پاؤں کی خاک بن جاؤں؟ یا تیری آنکھوں کا سُرمہ ہو جاؤں؟ نہیں! میں تیرے دل میں خوشی کی اِک لہر بن جاؤں گا!

محبت کے چند لفظ، سچے، دل سے نکلے ہوئے، تیرے، میرے لئے، صرف میرے لئے اِس دنیا میں! بس! اور دل دھڑکنے لگا اور زندگی گویا بے اختیار پھڑکنے لگی۔

ہاں کہہ لے مجھ سے جو کہنا ہے اے وہ کہ تیرے لفظ میرے لئے حلاوت ہیں، اے وہ کہ تیرا خیال میرے اِک قوت ہے، اے وہ کہ میری نگاہیں تیری رُوح کے عمق میں غوطہ زن

ہیں اے میری زندگی کے سمندر!

آہ محبت کے آنسو بھر آئے میرے دل میں، مَیں نے روکا اُنہیں کہ میری آنکھوں میں نہ اُتر آئیں! بھلا کیا پڑی تھی تجھے کہ تُو اپنے دل کو، اپنے سارے کہے کئے کو، کھول کر رکھ دے، یوں، میرے آگے، لیکن ایسا ہی تُو نے کیا اور کر دیا! کس لئے؟ آہ اُس محبت کے لئے جو کبھی نہ تیرے دل سے نہ میرے دل سے مٹ سکتی ہے، بس اُسی کے لئے!

اپنی لغزشوں پر سے تُو نے ظاہر کا پردہ ہٹا دیا تا کہ صرف میں اُن کو دیکھ سکوں، صرف میں، جس کی نگاہیں لبریز ہیں محبت سے، تیرے وجُود کے لئے اور تُو نے کہا اے میرے چاہنے والے دوست! کیا اب بھی تُو مجھ سے محبت ہی کرتا ہے؟

تُو نے مجھے اک پھُول دیا میرے پیارے پھُول! تُو نے مجھے اِک پھُول دیا! مگر کیا ہے تیرا پھُول میرے پھُول کے سامنے، وہ پھُول جس سے میرا باغ

یکسر مہک اُٹھا ہے! وہ پھُول میں کیسے کسی کو دے سکتا ہوں؟ کسی کو کیا تجھے بھی نہیں دے سکتا!

تجھے خبر بھی نہ ہو اور میں تیرے کھُلے بال اپنے چہرے پر ڈال لُوں اور محبّت سے آنکھ مچولی کھیلوں! ـــــ نہیں تجھے خبر ہو جائے گی! میں یُوں نہ کرُوں گا!
لیکن اچھا تجھے خبر بھی نہ ہو اور میں تیرے سائے میں کھڑا رہوں مسکراتا ہُوا، یا پھر تجھے خبر بھی نہ ہو اور رات ہوئے جب تُو سو جائے تو میں اپنی نرم پلکوں سے تیرے پاؤں کو چھُو لوں!

چمن کی اِس بہار میں اِک جوش ہے جو میری محبّت ہے اور پھُولوں کے اِس جھرمٹ میں اِک خوشبو ہے جو تیرا حُسن ہے!

گزرے ہوئے دِنوں میں، چاندنی راتوں کو، جب رو پہلے پانیوں پر نُور کی بارش ہوتی تھی تو میرے دِل میں تیرا تصوّر تھا۔ اب روزِ روشن میں جب کاروباری

دُنیا اپنے بنائے ہوئے رستوں پر چلتی پھرتی ہے تو سامنے باغ کے درختوں تلے تیری محبت مجھ پر اپنے شیریں پھول برسا رہی ہے۔

شب بخیر میرے دوست، خدا حافظ میرے دوست!
تاروں کی کرنیں تجھ پر نور کے موتی برسائیں اور خدا کی رحمت تجھے اپنی گود میں لے لے!

جب ملیں تو کسی راگنی کسی نظم کا تذکرہ چھیڑ دیں! کوئی درد بھرا راگ گاؤں میں تیرے لئے، کوئی اپنا ذرا سا کام بتا دے تُو مجھے!
تُو میری کوئی مشکل حل کر دے، اور بیان کرے دُشواری اپنی!
ہم کسی کا حوصلہ بڑھائیں مصیبت میں، ہم کسی کو راہ دکھائیں فراغت کے اندر!
جب ملیں میں اور تُو تو مجھے یہی تمنا نہ رہے کہ تیری نگاہوں میں تیرتا رہوں اُداسی کے ہاتھ پاؤں مار کر بلکہ جب ملیں میں اور تُو تو زندگی میں اِک جان سی پڑ جاتے اور میں اور تُو مل کر، مِل جُل کر، اچھے، خوشنما، ہلکے پھُلکے کاموں میں لگ جائیں اور ہماری زندگی کاموں کی بے تابی نہ ہو بلکہ اِک مطمئن مصروفیت!

جب تک تیری آنکھوں میں نیکی کی جھلک ہے دوست! میں تیرا ہوں
جب تک تیرے حُسن میں محبت کا جلوہ ہے دوست! میں تیرا ہوں
جب تک تجھے بیمار سے ہمدردی ہے دوست!
نادار سے ہمدردی ہے دوست!

میں تیرا ہوں

جب تک تُو کمر بستہ ہے اَوروں کی خدمت کے لئے
وفادار ہے اپنے ضمیر کے سامنے
اِستادہ ہے اپنے خدا کے حضور، دوست!

میں تیرا ہوں

جب تک تجھ میں یوں قربانی کی لگن ہے
ایثار کی روشنی ہے
دوستی کی نکہت ہے، دوست!

میں تیرا اور صرف تیرا ہوں

دُنیا کے گھنے جنگل میں

دُنیا کا سُنسان، گھنا، ہرا بھرا جنگل
بادلوں کی جھلملیاں جن میں چودھویں کے چاند کی جھلک
ایک دلکش مقام، پھولوں سے رنگا رنگ، خوشبوؤں کی بازی گاہ
ندّی، اُدھر تیرے حُسن کی، اِدھر میری محبّت کی
اُدھر سے، اِدھر سے آتی ہیں اور اِک دوسرے میں گھُل مِل کر بہے چلی جاتی ہیں!
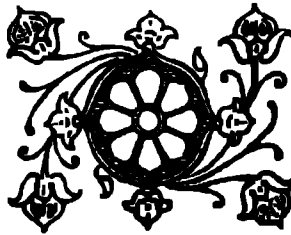
مرحلے

دیکھنے، ملنے، مل بیٹھنے کے لئے یہ بے تابی کس لئے؟
اب آ، محبت کے وہ مرحلے طے کریں جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گزر کر فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں!

دُشوار، کٹھن، بلکہ ناممکن، یہ ہم کو کرنا ہے اور کیا اے دوست! کچھ اَور کرنے کے قابل بھی ہے اس ہنوز ناقص دُنیا میں بجز اِس کے جو دلوں کے لئے دشوار ہو اور کٹھن اور ناممکن؛ محبت کی مسرت دِقت میں ہے راحت میں نہیں۔

اے شیریں رفیق! محبت دشوار ہے اور میرا دل کمزور!
اے اچھے دوست! راستہ کٹھن ہے اور مُسافر تھکا ماندہ!
لیکن کہسار پر کا وہ چمن، وہ آزادی کا وطن بھی کس قدر جاں فزا ہے اُس کے

لئے جو وہاں جا پہنچے، پست آرزوؤں کو پاؤں تلے روند کر، قدم قدم پر!

ہماری محبت آسان ہوئی جا رہی تھی قدرت نے اِک مشکل پیدا کر کے اُسے مضمحل ہونے سے بچا لیا! ہماری محبّت قہقہہ بن جانے کو تھی، قسمت نے شکر ہے اُسے اِک متفکر تبسّم میں تبدیل کر دیا!

شروع شروع میں مجھے معلوم نہ تھا کہ اِس محبّت کا کیا انجام ہونے والا ہے اور اب بھی میں نہیں جانتا، ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اِس سے زندگی کی ارزاں آسانیاں گراں شیرینیاں بن گئی ہیں اور یہ بھی کہ مجھے اپنی اور تیری زندگی کو کسی خوبصُورت عظمت کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔

محبّت میں دشواری سے ہراساں نہ ہو جا، محبّت کا کام دُنیا بھر کے گرد و غبار کو پاک و صاف کرتے رہنا ہے۔ محبّت خوبصُورت جھیل کے پانی میں تیرنا نہیں بلکہ وہ زندگی کے سمندر میں جذبات کے طوفان کے اندر لہروں کے تھپیڑے

کھانا اور ڈوب ڈوب کر اُبھر جانا ہے!

هائے قسمت! تُو کب اپنی عنایتیں ختم کرے گی؟ آہ محبت! تُو کب اپنی آزمائشیں چھوڑے گی، کب اے محبت؟ ——— نہیں نہیں اے رُوحِ زندگی! تُو زندگی کے شیشے میں اپنے رنگا رنگ کے پانی ڈال اور مصائب کی کرنوں کا عکس اِس پر پڑنے دے! اِس نازک شیشے کو گردش میں رکھ اپنی خلوت کی محفل میں اگردش میں رنگا رنگ کے پانیوں سے لبریز میری جان! یہاں تک کہ قسمت اُسے موت کے پتھر پر دے مارے!

اے دُنیا! تُو مجھے بُرا کہہ لے، اے رواج! تُو میری ہنسی اُڑائے جا، لیکن اِس سے یہ نہ ہوگا کہ میں غم و غصہ سے بھڑک اُٹھوں! اس سے صرف یہی ہوگا کہ راتوں کو میرا دل بے قرار رہے گا کہ کسی طرح بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دوں، کسی طرح محبت میں سب کی ایسی خدمت کروں کہ فطرت خدا کے آگے میرے لئے دستِ بدعا ہو جائے!

تُو نے اپنے تئیں میرے سپرد کر دیا اور میری ذمہ داریاں ہزار گُنا بڑھ گئیں!

ایک وہ دن تھا کہ میرے خلاف تجھے اپنی ذات پر حق تھا اور مجھے تیری زندگی میں کوئی دخل نہ تھا لیکن اب تو تُو نے اپنے تئیں میرے ہی سپرد کر دیا اور میں نہیں جانتا کہ کیا کروں؟

تیری زندگی کے باغ میں میرا گذر نہ تھا اور اب تیری محبت کا پھول بھی میرا اور محض میرا ہے؛ جب میں اُس کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں تو کوئی اَور دنیا میری آنکھوں میں بس جاتی ہے — آہ! شیریں رفیق! تُو نے جب اپنے تئیں میرے سپرد کیا تو میں نے تجھے اور اپنے آپ دونوں ہی کو خدا کے حوالے کر دیا!

اپنے ہی باغ میں اپنے ہی پھُول کو توڑنے کی تمنا؟ آہ اے باغبان! بہار کی آمد نے تجھے بھی دیوانہ بنا دیا! اے نادان! محبت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، ایثار کی پیاری پیاری صدائیں آتی ہیں! کیا تُو اِن سے بے پروا ہو چلا؟

اپنی خوشیوں کو برباد نہ کر، اِس دولت کو جو تُو نے اِس تگ و دَو سے فراہم کی یوں ضائع نہ کر دے! نہ توڑ اپنے ہی پھُول کو میرے اچھے باغبان! نہ توڑ!

چھپا کے رکھ اِس موتی کو دل میں، دنیا اس کی نازک چمک کی تاب نہیں لا سکتی! چھپا کے رکھ اس موتی کو اپنے دل کے ایک گوشے میں! چھپا کے رکھ اس موتی کو اپنے نفس سے کہ بے تاب خواہشیں اِس کی اچھوتی روشنی کو اپنی جلد باز نگاہوں سے آلودہ نہ کردیں! چھپا کے رکھ اس موتی کو اپنے وجود کے اندر ہی اندر!

اِس محبت کو میں قائم رکھوں گا خواہ اس میں مجھے اس کا ہر لطف اور اس لطف کا ہر احساس چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے؛ محبت اے کمزور دل! تن آسانی کے لئے نہیں ہوتی، محبت تو صرف اِس لئے ہوتی ہے کہ دل توانائی اور رُوح زندگی بن جائے!

سینکڑوں انقلاب، ہزاروں نئی باتیں ہر روز زندگی میں آتی ہیں، میری تیری زندگی میں آنے والی ہیں! پھر کیا میں ہر جھونکے کے سامنے جھومنے اور ہر طوفان میں تباہ ہو جانے ہی کے قابل ہوں؟ آہ! حیف ہے مجھ پر کہ میری بنیاد بودی ہو اور یوں میری تمنّاؤں کا قصرِ عالیشان آسمان سے باتیں کرے!

اے کاش کہ میں اک نایاب شے کی طرح تجھے اپنے دل کے کونے میں جگہ دوں؛ اے کاش میں ہر روز تیری دید سے تیری محبت کو عام نہ کردوں بلکہ اِس نعمت کو محض خاص لمحوں کے لئے مخصوص کر لوں؛ محبت اور تیری صورت میرے لئے اِک الہام ہو ہر بار نیا اور انوکھا؛ اور اِس ضبطِ نفس میں جو درد سا ہو اُس کی مٹھاس سے زندگی کو شیریں و پُرعظمت بناؤں!

تُو اِک نازک موتی ہے
تُو اِک ننھا پھول ہے
تُو تارا ہے آسمان کا
تُو چاند ہے تاریکیوں کا
اے تُو کہ محبوب ہے خدا کو!
تُو میری محبت کے رحم پر اپنی زندگی لبسر نہ کر!

تیری حمایت میں مَیں اپنی جان تک لڑا دوں گا خواہ اِس جنگ میں مجھے اپنے آپ ہی سے کیوں نہ لڑنا پڑے؛ میرے خیالات، میرے جذبات، میری بے تابیاں

میری آرزوئیں سب پیچھے اور اے سراپا صبر و ہمت ! تیری محبت ان سب سے پہلے !

یہ ہے میری تمنا کہ جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے وہ ہمیشہ ہی تجھے دوں !
یہ ہے میری تمنا کہ میں یوں ہی تجھ سے محبت کروں، یوں ہی خدمت کروں
تیری خواہ اس محبت اور اس خدمت میں مصیبت کے پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑیں !

یہ ہے میری تمنا کہ میں اپنے خیالوں کو یوں پاکیزہ ہی رکھوں، یہ ہے میرا ارادہ
کہ میں اپنی بے تابیوں کو کم ہی کئے جاؤں تاکہ اس طرح نیکی کا چاند میری تاریک رات
میں جلوہ گر ہو، تاکہ اس طرح تیری محبت کا پھول میرے مرتے دم تک دنیا کے لق و دق
صحرا میں میری اور تیری روح کو معطر رکھے !

وعدہ جو میں نے تجھ سے کیا وفا ہوگا خواہ اس میں میرا دل ٹکڑے ٹکڑے اور
میری روح پاش پاش کیوں نہ ہو جائے ! میری راہ میں ندامت اپنے روڑے نہ اٹکا
سکے گی کیونکہ میں محبت کی پستیوں کو چھوڑ کر ہمیشہ اس کی بلندیوں کی طرف قدم بڑھائے جاؤں گا !

وہ احسان جو تیری محبت نے مجھ پر کئے ہیں اُن میں شاید سب سے بڑا یہ ہے کہ اگر میں کسی سے اپنی بُرائی اور اپنی کمیوں کا بیان سُن سکتا ہوں بلکہ سُننا چاہتا ہوں سننے کے لئے بے تاب و بیقرار رہوں تو وہ تُو فقط تُو ہے!

اگر تُو ہی میرا اِک سہارا ہو زندگی میں، اگر ہر مشکل میں مَیں تیری طرف کانپتا ہوا دوڑ نکلوں، اگر ہر بات میں میرے وجود کے اندر اِک زلزلہ برپا ہو جائے جس کی روک تھام کے لئے میں تیرے قریب یا تجھ سے دُور، تیری طرف ہی ہاتھ پھیلاؤں اور کہوں کہ ہائے مجھے بچالے؛ اگر ایسا ہو اگر ایسا ہی ہے تو پھر میں تیرے قابل نہیں اور پھر خدا کرے مجھے تیری محبّت کبھی نصیب نہ ہو۔ لیکن اگر میں زندگی کے ہر مرحلے میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا، اپنے سر کو بلند رکھنا، اپنے دل کو مایوسیوں میں بھی مضبوط بنا لینا سیکھ لُوں تو پھر خواہ تُو مجھ سے مُنہ پھیر لے مجھے یقین ہے کہ میں دوبارہ تیرے اور تیری محبّت کے قابل بن سکتا ہوں؛ اے دوست! یہ میری دِلی تمنّا ہے اور یہی میری مسلسل کوشش کہ تُو مجھ کو کم از کم بُزدل نہ پائے!

زر کی ہوس مَیں نے کسی کے لئے نہ چھوڑی، سونا چاندی مجھے عزیز تھے یہاں

تک کہ میں نے تجھے دیکھا!
اس سے پہلے بھی طوفان میرے دل میں اُٹھے مگر زر کی ہوس مجھ سے نہ چھٹی!
لیکن جب میں نے تیری محبت کے پھول سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تو وہ نکیلے کانٹے
خود بخود ٹوٹ کر جھڑ گئے!

میری محبت وہ نہیں کہ فقط تیری تعریف ہی کرے، فقط تیری خوبیاں ہی دیکھے،
تیری خوبیاں اے دوست! تقاضا کرتی ہیں اُس سے کہ وہ تیری کمیوں کو بھی تیری خوبیوں
کے زُمرے میں شامل دیکھنے کی تمنا رکھے، دُنیا میں صحیح نکتہ چینی اگر کی جاسکتی ہے تو صرف
محبت کی زبان سے!

یوُں تو مجھے تیرے حُسنِ صورت، تیرے حُسنِ گفتار، تیرے حُسنِ عمل ان سب میں، یوُں
تو مجھے تجھ میں حسن ہی حسن نظر آتا ہے مگر جب کبھی میں اپنے دل میں اُس کا پرتو دیکھ پاتا
ہوں جس کے حُسنِ کامل کا محض اِک ذرا سا عکس تجھ میں ہے تو میں تجھے روز بروز زیادہ
حسین و جمیل دیکھنے کا تمنائی ہو جاتا ہوں اے میری تصویرِ حُسن!

تُو نے خوب کہا ؛ زندگی ختم نہیں ہوئی بلکہ زندگی اب شروع ہوئی اب ہم دونوں کے لئے ! ہر روز اے میرے رفیق ! سُورج کی پہلی کرنوں کے ساتھ اک نئی زندگی کا آغاز ہو میرے تیرے لئے ! زندگی ہر لمحہ زندہ و تابندہ ، زندہ تر و تابندہ تر ! زندگی جیسے گر گر کے اُٹھنا اور ڈوب ڈوب کے اُبھرنا ہے مصیبت کی گھاٹیوں میں ، موت کے پانیوں میں ! ہاں ! شاندار ہے زندگی جو ہر روز نئی ہے اِس محبّت کے ساتھ !

آ زندگی کو بہتر ، بلند تر ، پاکیزہ تر بنالیں
آ دُنیا میں محنت اور محبت سے مسرّت کی اک لہر دوڑا دیں —— آ !

علم حاصل کریں کہ نظر وسیع ہو ، محنت کریں کہ نظر تیز ہو اور محبّت کریں کہ نظر عمیق و عمیق تر ہوتی جائے !

اگر تُو وہ نہیں جو میں تجھے سمجھتا ہوں اور اگر میں وہ نہیں جو تُو مجھے سمجھے ہوئے ہے تو میں تجھ سے اور تُو مجھ سے ، ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے وہی کچھ ہو جانے والے ہیں جس کا صرف تصوّر ابھی ہماری باہمی محبّت کے دل میں ہے !

ہماری کوتاہیوں پر دُنیا ہمیں کیا شرمائے گی کہ اعتراف ہی پر ہماری محبت کا انحصار ہے؛

خدا نہ کرے کہ ہم لغزشوں کی پردہ پوشی کئے جائیں، خدا نہ کرے کہ یوں ہماری محبت کی بیخ کنی ہوتی جائے، خدا نہ کرے کہ ہم کہیں کچھ اَور اور کریں کچھ اَور۔

تجھ سے اِس طرح محبت کروں جیسے اِک ماں اپنی بچی سے، اپنی حسین پاک ننھی بچی سے، جیسے روحیں پیار کرتی ہیں ایک دوسرے سے تاروں کی دُنیا میں، آسمانوں کے اُوپر!

ہم محض رفیقِ زندگانی نہیں رفیقِ روحانی بنیں ایک دوسرے کے لئے!

تجھ سے اِس طرح محبت کروں کہ اضطراب استقلال ہو جائے اور قہقہہ ہنسی اور ہنسی مسکراہٹ اور مسکراہٹ اک لطیف فکر —— یہ ہو میری تیری محبت!

تُو چودھویں کا وہ چاند ہو جو مہینے میں ایک بار نظر آئے یا تُو وہ نکہت ہو جو دُور

ہمالیہ کے کسی خاموش جنگل میں ایک نایاب پھُول کے دل سے نکل کر ہوا میں تیرتی پھرے! تُو وہ موتی ہو جو اَن دیکھی گہرائیوں میں لہروں کے ہنڈولے میں سویا رہے اور جسے میری غوّاص روح صرف اپنے پاکیزہ لمحوں میں محض کبھی کبھی دیکھ سکے!

تُو وہ ٹمٹمانے والا تارا ہو جسے میری رات بھر بیدار آنکھیں گھنٹوں دیکھتی رہیں! تُو وہ سمندر کی پری ہو جو کسی دُور دراز جزیرے کے کنارے صرف اِک مجھ سے آوارہ مسافر کو نظر آئے! تُو وہ ربّانی تحفہ ہو جسے میری بے قرار روح کسی سرزمین میں آسمان کے ہاتھوں سے پائے اور مسکرا پڑے!

پھُول ہی پھُول —— زندگی کے کہسار پر وہاں جہاں حُسن کا درخت پھُول ہی پھُول ہو رہا ہے اُس کی خوشنما لچک دار شاخوں میں میری تیری محبت کا آشیانہ ہو خوشبوؤں میں بسا ہُوا!

اپنی غلطیوں، اپنے عیبوں، اپنے گناہوں سے دِل شکستہ نہ ہوں جب تک

ہمارا مطمحِ نظر ہی غلطی اور عیب اور گناہ نہ ہو —— ہماری آنکھوں میں، ہمارے چہرے پر اک اطمینان ہو اور ہمارے دِل میں اور ہماری رُوح میں اک ہمدرد قوت!

ہم غم کے حواری نہ ہوں لیکن ہم خوشی کے زرخرید غلام بھی نہ ہوں ——
ہماری زندگی ہو حُسن اور اچھائی اور سچائی، ہمارے دل ایسے راست رَو ہوں کہ تبسم خود بخود ہمارے لبوں پر کھیلے!

خُلوص، معصومیت، مسرت --- یہ ہوں بنیادیں ہماری محبت کی!
کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن ہمیشہ کے لئے، اِک ننھی سی نکہت جو آخری دم تک رُوح در رواں میں ساری رہے!

کوئی ہو جو مجھے دل وجان سے چاہے، کوئی ہو جس سے میں دُنیا بھر کی محبت کروں، جس کی محبت مجھے زندگی کی چوٹیوں پر لے جائے! —— میری زندگی یہ ہے، میرے لئے زندگی محض سونا جاگنا اور ہنسنا کھیلنا نہیں اور نہ یہ کہ لوگ میرے پیچھے

دوڑیں اور دُنیا میرا نام لے!

کس قدر ناشکر گذار ہے دل اگر اتنی خوشی پر بھی خوش نہ ہو!
اور کس قدر بزدل ہے انسان اگر ایسی محبت کے ساتھ بھی دُنیا جہان کی مصیبتوں کا سامنا نہ کر سکے!

دُنیا میں کوئی خوشی نہیں اِس سے بڑھ کر کہ میں کسی کا باوفا رفیق بنا رہوں! کوئی خوشی نہیں اس سے بڑھ کر کہ میں کسی سے محبت کرتا رہوں بغیر کسی غرض کے! میں اس محبت کو پاکیزہ کرتا رہوں، میں حُسن میں نیکی کو تلاش کروں، میں نیکی کو خوشی میں چھپا ہُوا دیکھ لُوں —— دُنیا میں کوئی خوشی نہیں اس سے بڑھ کر کہ میں یُوں کسی سے محبت کیا کرُوں!
آہ! دُنیا میں کوئی خوشی نہیں اس سے بڑھ کر کہ میں خوشیوں کے پیچھے نہ دَوڑوں بلکہ صبح و شام وہی کرتا رہوں جس سے خود خوشی کو پیار ہو!

حاصل کروں گذری ہوئی خوبصورتیوں اور اُمنگوں اور آرزوؤں کو لیکن اِک
نئے رنگ میں!
اپنے آپ کو اُن سے برتر نہ سمجھوں بلکہ اُن کو خود برتر و بہتر بنالوں اپنے آپ سے
اور پھر اُن کا پیرو بنوں، میں!
آرزوئیں پیدا کروں اپنی زندگی میں رنگیں!
ارادے اُبھاروں اپنے دل میں مضبوط و مستحکم!
سپنے دیکھا کروں اپنے دِنوں اور راتوں کو نت نئے!

ڈوب ڈوب کر اُبھرنا، یہ ہے محبت!
گر گر کر اُٹھنا، یہ ہے زندگی!

وہ پھول پتیاں
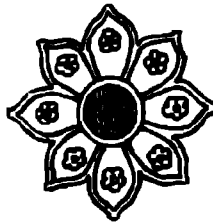
وہ پھول پتیاں جو میرے باغِ زندگی کی بہار ہیں ایک کانٹے کی طرح پڑا رہوں اُن کے سائے میں اور عمر بھر اُن کے رنگ و بُو سے لُطف اُٹھاتا رہوں میں!

ہمیشہ وفادار رہوں اُس کا جس کا میرا عمر بھر کا ساتھ ہے کبھی مُنہ نہ پھیروں اُس سے جس کی گود میں پلا اور اُس سے جس کے ساتھ بچپن کے دِن ایک ہی چھت کے نیچے گزُرے اور اُن سے جن کی ننھی زندگیاں اب میرے ساتھ وابستہ ہیں اور نہ اُن سے جن کی زندگی میں اِک ذرا سی خوشی بھی ہے مجھ سے!

ہُمایُوں مرحُوم

زندگی جس کا نام دلیری، جس کا کام رہنمائی!
خاموش، متین، پاک دل
مشہور مُصلح، مستور فلسفی
محفلوں سے کنارہ کش، تنہائیوں کی زینت
علم کا مخزن، ادب کا گہوارہ
تقریر کا دھنی، تحریر کا مالک
شعر و سخن اُس کی گھٹّی میں، سوچ بچار اُس کا شعار
غازیٔ سعیٔ پیہم، صاحبِ بختِ ہمایوں
صدہا مشکلوں کو آسان کرنے والا، ہزاروں کا مُحسن
دوسروں کی لغزش پر کُڑھنے والا، اپنی کمیوں کا جابر دشمن
ہمیشہ اپنے اصُولوں پر قائم لیکن ساتھ ہی نئے تجربوں سے ہر وقت نئی باتیں سیکھنے کو ہمہ تن تیار اور بالآخر کائنات کی گُتھیوں کو سُلجھا نہ سکنے پر خاموش اور شاید مطمئن!
وُہ جس کا بچپن نسیمِ سحر کی طرح نرم رَو تھا اور گُمنام، جس کا شباب باغِ دُنیا کے

لئے اِک بہار تھا حیات انگیز، اور جس کی ابھی پیری نہ آئی تھی کہ وہ اک خوشبو کی طرح فضا میں پھیل کر نظروں سے اوجھل ہوا اور آسمانوں کی کسی نُورانی دُنیا میں جا بسا!

شاہِ دینِ عمل!

وہ جس کے قدموں کے نیچے جنت ہے میرے لئے، وہی جس کا شفقت بھرا چہرہ مجھے اِس دُنیا میں طُوبیٰ و سدرہ سے کم نہیں!

وہ بھی دن تھے جب مجھے اپنے ہونے نہ ہونے کا ہوش نہ تھا، جب اُسی کی آغوش میرا ماویٰ وملجا تھی اور یہ بھی دن ہیں کہ میری آگاہی اپنی بساط سے بڑھ کر قدم مارنے لگی ہے لیکن میرے دِل کی نقاہت کو قوت اب بھی ملتی ہے تو اُسی کی تسکین دِہ آواز سے!

میاں محمد شفیع

نیّت ایسی نیک کہ زندگی ایک مُسلسل مُسکراہٹ!
ذکاوت، شفقت، محبت! اِن کی فاتحانہ قوت کے ساتھ ہمیشہ خدمت وعزت
کی چوٹیوں کی طرف ساعی!
مُقتضائے حال کا کارکُن — گزشتہ کو بھول کر اپنا مستقبل ہمیشہ اپنے خدا پر
چھوڑے ہوئے!
فلسفے کی اُلجھنوں سے آزاد — بلندیوں اور گہرائیوں کو چلتی پھرتی زندگی کی
سطح پر لانے والا، فکر و ندامت کا مُنہ اعتقاد و محنت کے شگوفوں سے بھرنے والا،
خدائے رحمٰن کے لُطف و کرم کا دلی معتقد — مسرور مومن!
دوستوں کا شیدائی، دشمنوں کا دوستدار — مخالفت میں مفاہمت کا آرزومند
عناد و فساد میں مصالحت کا نعرہ بلند کرنے والا صُلح جُو رضا کار!
انجمنوں کی رُوح و رواں، محفلوں کا چشم و چراغ، بیواؤں بینواؤں کا ماویٰ
وملجا — اُس کے دریائے دولت سے ایک خشک دُنیا کی آبیاری، اُس کے بحرِ
محبت پر ہزاروں دردمندوں کی زندگیاں رواں!

تمدن کا موتی، معاشرت کا چندن ہار —— بچوں میں بچہ، جوانوں میں جوان،
بوڑھوں میں بوڑھا سب کا ہم عمر، ہر دلعزیز ہمجولی
خوبی و خوشنمائی کے پھولوں کا بھونرا، دائمی شباب کی ایک ہنستی کھیلتی مورت ——
چہرے میں دلکشی، چال میں لوچ، قد راست، قامت زیبا، جسم قوی، رُوح کُندن سی!
دریا دل، خوش طبع، شریف دل امیر —— صد ہزار آنکھوں کا تارا!
مُقرّر، مُدبّر، مُنظِم —— شفیع قوم و ملک!

جنوری ۳۲ء

ہمدردی اور فیاضی کی دیوی
اعتقاد اور مصلحت کی تصویر
سمت شناسی اور استغراق سے ناآگاہ
اُس کا چہرہ تبسموں کا گلزار، اُس کا ہاتھ آبِ زر کی چھلنی
ہر کسی کی خوشی میں شامل!

تیرے خاموش استقلال نے، اے کم سن بزرگ! تیرے متین اعتدال نے ایک خاموش اثر اُس کی زندگی پر پیدا کر دیا جس کی رہنمائی کا بظاہر تجھے حق حاصل نہ تھا۔

وہ اپنے ہی جوش و خروش کی راہ پر گرم رَو تھا تو اپنی ہی کم گوئی اور سرد مزاجی کی روش پر قائم لیکن جیسے اُس نوعمر دِل کی رہبر تُو ہے جسے ہر مشکل میں تیری ہی طرف دوڑتے بن پڑتی ہے ویسے ہی اُس خوددار افراط پسند کی رہنمائی بھی تیرا ہی کام ہے جو باوجود اپنی نام نہاد قابلیت اور بزرگی کے تیرے سکون و اطمینان سے ہنوز اِک عملی سبق لینے کا حاجت مند ہے!

تُو اور میں بچپن کے دِنوں میں ایک ہی گود میں پلے ہوئے، ایک ہی چھت کے نیچے سونے والے، ایک ہی صحن میں کھیلے ہوئے، دیہات کی ہوائیں، باغوں کی فضا میں ننھی پتیوں کی طرح قریب ہی قریب لہلہانے والے —— لیکن اب میں کہاں اور تُو کن چوٹیوں پر؟

اے بھولی بھالی رُوح جو مجھے عاقل سمجھتی ہے میں ایک ناصح ہوں
نیم عاقل لیکن ایک عامل قطعاً ناقص۔

سو تُو مجھے ہی ماننا چاہے تو میری "ادیبانہ" جولانیوں کو دیکھ لے اور میرے عملوں
کو جاننا چاہے تو پھر میری زندگی پر قریب سے ایک نظر دوڑا۔

لیکن تجھے لفظوں پر ہی اصرار ہے تو سُن اور سمجھ اور غور کر کہ ————
مضمحل ہو تو ہو لیکن مایوس کبھی نہ ہو!

زندگی سے گھبرا جائے تو دنیا سے علیحدہ ہو جا کچھ دیر کے لئے!

اور گلے شکوے خدا سے کر نہ کہ بندوں سے کہ وہ سب کی سُنتا ہے اور اگر چیا
تُو کہتی ہے نہیں بھی سُنتا تو کم از کم تلخ جواب نہیں دیتا!

اور بس بے وجہ خوش ہوئے جا اکثر جیسی تیری عادت ہے کبھی کبھی، کہ
عقلمندوں کی عقلمندی بھی اِس سے زیادہ کامیاب نہیں!

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے تجھ سے اُنس کیوں ہے؛
مَیں سکون تُو حرکت، میں اطمینان تُو بے چینی، میں ہر موجودہ شے کو مقدّس سمجھنے والا،
تُو ہر مقرّر چیز سے یکسر منحرف، میں دستوروں کا باسی ہار تُو گھر میں ——— انقلاب کا بم!
پھر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے تجھ سے اُنس کیوں ہے؛
شاید اس لئے کہ دنیا کے تماشا گاہ میں میری تیری نشست ایک دُوسرے سے
کچھ زیادہ دُور نہیں گو باوجود اس کے دُنیا مجھے کچھ نظر آتی ہے تجھے کچھ اَور؛
یا اس لئے کہ مثبت بجلی منفی بجلی کی طرف کھچتی ہے گو اس ملاپ میں ایک دوسرے
سے ٹکرا کر وہ اِک دھماکا ہی کیوں نہ پیدا کر دیں؛
یا اس لئے کہ ہم دونوں ادبی تخیل کے بھان متی ہیں اگرچہ تیرا کھیل روشنی میں پرواز
کرتا ہے میرا تاریکی میں غوطہ زن ہونا؛
یا اس لئے کہ میں "بزرگ" ہوں تُو "خورد" گو نئے تمدّن کی لُغات میں یہ لفظ ایک
دوسرے کے ہم معنی ہیں؛
نہیں یہ باتیں اُنس پیدا نہیں کر سکتیں!
ہاں میں دیکھتا ہوں کہ بندش کے پُجاریوں اور امن کے مبلّغوں کے خلاف جنگ
کرنے میں تُو سب سے زیادہ ممتاز ہے لیکن مجھ سے تیری جنگ اُنس کے رنگ میں ہے
اور اسی لئے صرف تجھی سے نہیں بلکہ مجھے تیری جنگ سے بھی اُنس ہے!

گول گول آنکھیں، چمکدار، تیز، ذکاوت اُن میں ہر سُو تیرتی!
چہرہ خوبصورت، دلکش، عقل و فہم کا منظر!
گفتگو پُر جوش جیسے اُس شیر دل مسافر کا عزم جس کی منزل ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ہو!
کیا اَے میرے نُو عُمر نورِ نظر! میں تجھ سی پُر ہمت رُوح کی آزاد روی میں اپنی بندشوں کی غلامی کے روڑے اٹکاؤں گا؛ نہیں! صرف میری محبت چِلّادے گی جب تُو، کبھی، بُھولے سے، کسی گڑھے میں گرنے کو ہوگا ورنہ میرا لفس تو عموماً تیری جولانیوں میں تیرا ہم رکاب ہوگا اور میرا دِل ہمیشہ تیرے لئے دُعا گو!

تُو وہ نہ کرنا میرے ننھے موتی! جو میں نے کیا!
تیری روشن و تاباں آنکھوں میں ابھی زمانے کی اُونچ نیچ کا عکس نہیں پڑا!
میں نے تجھے صرف وہ دیا جو تجھے مضطرب رکھتا ہے اور بیقرار کر دیتا ہے اور وہ تیرے پاس پہلے ہی تھا یا خدا جانے تُو نے کہاں سے پایا جس سے تُو ابھی سے اِتنی دُور تک دیکھ سکتا ہے جہاں تک شاید میری نگاہ نہیں پہنچتی۔
تُو اِس نظر سے جو تُو نے پائی ہے اے میرے چمکتے موتی! بے عملی اور ناخوشی کے اُن تاریک گردابوں سے ذرا بچ کے چلنا جن میں اب تک مَیں گھِرا رہا!

ایک پتّی سی نرم ونازک، ننھے سے ننھے جھونکے سے مُسکرانے اور ہنس دینے والی، ہلکے سے ہلکے طوفان کے تھپیڑے پر شبنم کے سے آنسو بھر لانے والی۔

شور وغل کی چڑیا، باتوں کی مینا، چال میں چکورسی، نیند میں نری پری کی پری۔

محبت کی پتلی، روٹھنے اور منے والی ہنھی فریب کار!

حُسن میں چاندنی کی اِک بُھولی بھٹکی کرن کہ اپنی آوارگی میں خوش، زندہ دِلی میں سُورج کی طرح ہر صُبح نہائی دھوئی، شوخ دیدہ، زندگی بخش، تر وتازہ، دُنیا جہان کی **ثروت** اُس کی نگاہوں میں جلوہ ریز!

گزرے ہوئے کو بھولی ہوئی، آنے والے سے بے خبر، بُرائی بھلائی سے بے نیاز اور ذلت وعزت دونوں سے بے تعلق۔

لوگوں میں اُس کی مشتاق جسے پہچانے، چیزوں میں اُس کی جسے نہ جانے۔

شیرینی، رعنائی، رنگین ادائی ——— تین برس کی بولتی چالتی گڑیا!

نومبر ۳۰ء

اُس کی ہستی بھی میری نگاہوں میں **رِفعت**!

ٹھنگنے خاں!

میرے عزیز دوست نے یوں تو مجھے گاہے گاہے باتوں باتوں میں بہت کچھ کہا ـــــ میرے جذبات کچھ کہتے تھے اُس کے خیالات کچھ، میں گویا مشرق تھا وہ مغرب، میں قدامت نُما وہ جدّت پسند، مجھ میں اُس میں کچھ اصلی کچھ نقلی کشمکش ہی رہی گو ساتھ ہی اِک باطنی کشش بھی؛ اور اِس طرح ـــــــ یُوں تو اُس نے کبھی اپنی روزمرہ کی باتوں میں، کبھی اپنے تحریری پیاموں میں میرے اور اپنے لئے کوئی نہ کوئی مُعمّا کبھی پیدا کر دیا اور کبھی حل لیکن اُس کے ایک فِقرے کو شاید اُسے بے یاد کِئے بھی میں کبھی نہیں بھُولتا اور اکثر تنہائی کی کاوشوں میں اور عموماً اپنی خیالی دِقتوں میں جب مضمحل طبیعت سنبھلنے لگتی ہے تو مجھے اپنے عزیز دوست کے ایک خط کا یہ جُملہ معاً یاد آجاتا ہے کہ

"جتنا رنج زیادہ ہوتا ہے اُتنا ہی میں اَور زیادہ ہنستا ہوں"
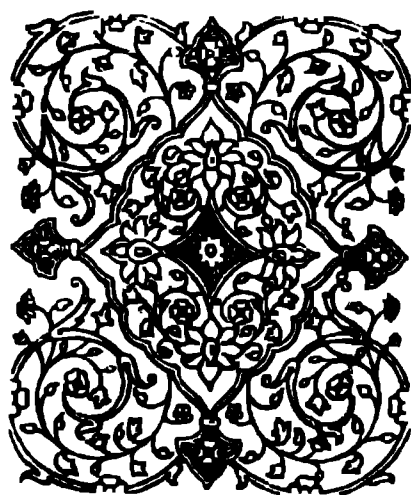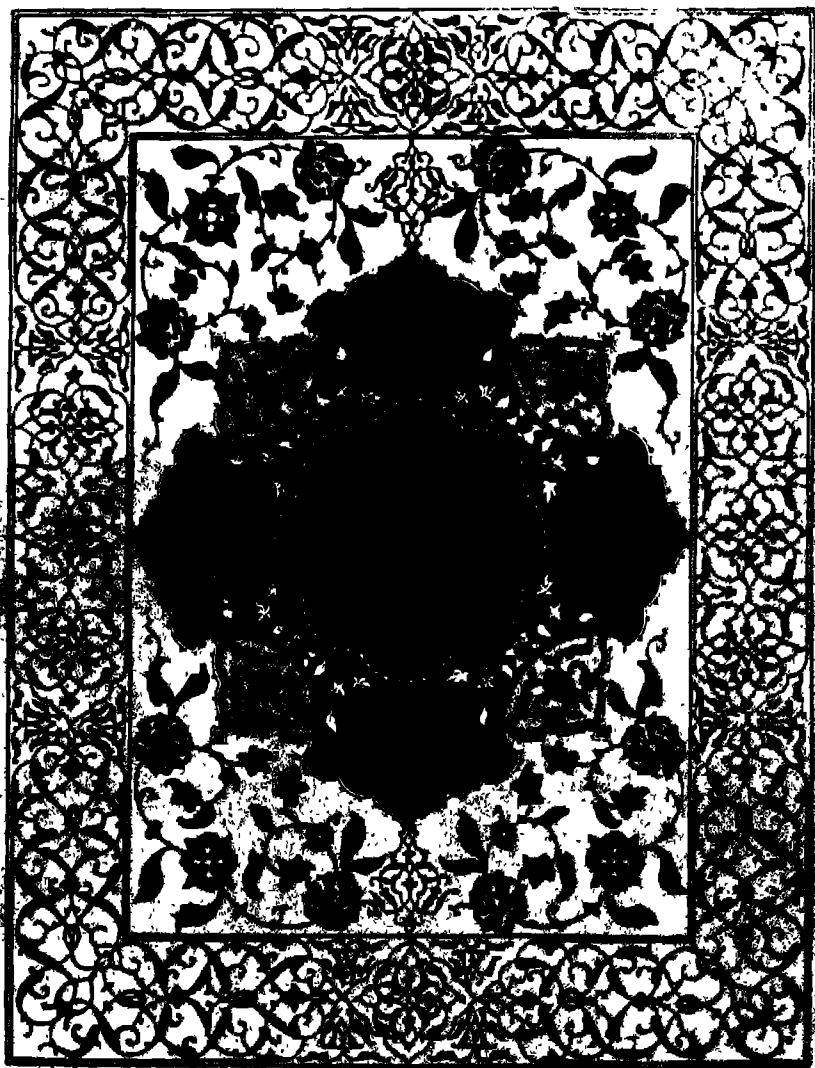
ناکامیاں

زندگی کی ناکامیوں سے مایوس نہ ہو!

وہ زندگی کامیاب نہیں جو فقط کامرانی ہو، وہ خوشی خوش نہیں کرسکتی جو درد والم کی قیمت دے کر حاصل نہ کی گئی ہو! دن کی جلوہ گری رات کی پردہ پوشی سے ہے، دید کا لطف غمِ فراق کا دست نگر ہے اور زندگی کی فتح اُس کی شکستوں سے ہے۔

وہ جو خدا سے ابدی راحت کے طلب گار ہیں۔ وہ ایک ایسی جنت کے تمنائی ہیں جس میں دیکھنے کے لئے آنکھ، سننے کے لئے کان اور کھانے کے لئے مُنہ تک بھی نہ کھولنا پڑے جب تک زندگی زندگی ہے اُس میں برکت حرکت ہی سے ہے کہ کامل سکون رُوح کے لئے عین موت ہے!

جو کہتے ہیں کہ اِس دنیا میں بُرائی کیوں ہے، کمی کیوں ہے، رکاوٹ کیوں ہے وہ فی الحقیقت نیکی اور فراوانی اور آزادی کے قدردان نہیں، وہ اِن موتیوں کے لئے اِن کی پُوری قیمت ادا کرنا نہیں چاہتے۔

جس قدر ایک عطیہ شاندار ہوگا اُسی قدر کٹھن وہ کوششیں ہونگی جو اُس کے حصُول کیلئے درکار ہیں۔

زندگی کی ناکامیاں فی الحقیقت ایسے انسانوں کی طلبگار ہیں جو کامیابی کے اہل ہوں!

یہ موتی

کچھ کھویا نہیں گیا!
ہمیشہ آگے کو قدم بڑھائے جا!
ہر رات کے بعد دن ہے، ہر تاریک بادل کے پیچھے چمکتا ہوا سورج موجود ہے۔
اور پھر رات، شاندار رات، حسین و جمیل رات، اپنے ننھے تاروں والی، اپنے پیارے
چاند والی رات!

کونسی تاریکی ہے جس کے اندر ہمارے مہربان خدا نے روشنی کی جھلکیاں نہیں چھپا دیں، سمندر کے پاس اُس کے آبدار موتی ہیں، پہاڑوں کے بطن میں لعل و جواہر کا خزانہ ہے تو کیا ہوا! تیرے دریا میں جو جنگل بیابان میں سے ہو کر گذرتا ہے تیرے اِس آئینے میں اپنے گرد و پیش کا عکس ہے، اِس کے اندر حُسن و حقیقت کی وہ جیتی جاگتی تصویریں ہیں جن کی نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

کچھ کھویا نہیں گیا!
تُو اُس موتی کو کیا ڈھونڈتا ہے جو کل کھویا گیا، تیرے پروردگار کی شفیق فطرت نے تیرے ہی دل کی صدف میں ہزاروں لاکھوں موتی چھپا کر رکھ دیئے ہیں، چھوڑ اُس

لاحاصل تلاش کو اور کھول اِس لازوال خزانے کا زرنگار دروازہ !

کل کا وہ موتی ! کھویا گیا لیکن آج کا یہ موتی دمکتا ہے تیرے دل میں، آج کا یہ موتی جھلک رہا ہے تیری آنکھ کے ہر آنسو میں!

آنسو جو تیری آنکھ سے گر گئے موتی جو گذرے دنوں میں کھوئے گئے اب بھی تیرے گلے کا ہار ہیں، تُو سر کو بلند رکھے تو وہ زینت ہیں تیرے سراپا کی، تُو دل کو پاک کر لے تو وہ آرائش ہیں تیرے روح و رواں کے لئے۔

تاریک بادل برس چکے، گذرے ہوئے رنج و راحت اب قوسِ قزح ہیں تیرے آسمان پر، کل گذر گیا رات ہو چکی، وہ کروڑوں میل پر دُور، دُور سُورج افق سے ابھرا اُس کی سنہری کرنیں چلی آتی ہیں دیکھ اور آج کے لہراتے شبنمی میدان میں تیری روح کے لاکھوں موتیوں میں وہ عکس ریز ہیں میرے دل!
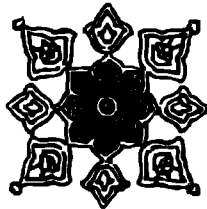
خلوت و جلوت

خَلوت میں الگ بیٹھا ہُوا اپنی ہی چار دیواری میں گھرا ہُوا میں دنیا و عقبےٰ اور حیات و ممات کی اُلجھنوں کے سُلجھانے میں مصرُوف ہوں۔ دُنیا کو کس نے بنایا اور پھر اِس کے پیچھے عقبےٰ کیوں ہوئی اور اِس کے پہلے کیا تھا اور نہ تھا تو کیوں نہ تھا؟ اِن سب کے اندر زندگی کی روح کیسے پُھنکی اور پُھنکی تو پھر اِک ہوا کے جھونکے کی طرح کس لئے اِس چمن زار میں اُدھر آئی اور اِدھر چل دی؟ یہ زندگی جس نے بیل بوٹوں کو اُگایا، پرند چرند کو اُڑایا دوڑایا، یہ مُجھ میں آکر کیوں نری سانس لینے والی، کیوں نری چلنے پھرنے کھانے پینے اور بولنے چالنے والی جان نہ بنی رہی؟ میرے اِس دیس کے خاکی و ارضی جسم میں آکر یہ پردیسن کس سوچ بچار میں پڑ گئی؟ دیکھتی ہے سُنتی ہے سوچتی ہے اور سرگریباں ہو جاتی ہے! کیا یہ اس چھوٹے سے قیدخانے میں بند کر دی گئی جس کی کھڑکیاں آنکھیں ہیں، جو ہزاروں اور کروڑوں میل کے نظاروں کا پل کی پل میں عکس اُتار لیتی ہیں جس کی غلام گردش دماغ ہے جو ایک چشم زدن کے ہزارویں حِصّے میں اُس دُور دراز حریم ناز کے دروازے پر جا دستک دیتا ہے جس کا رہنے والا شاید اِسی تیک رفتار کے ساتھ کائنات کی وسعتوں میں اِک آنکھ مچولی سی کھیل رہا ہے؟

یہ سوچتا ہوں تو دِل میں اِک بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ سامنے میز پر کچھ کتابیں دھری ہیں اُنہیں یکے بعد دیگرے اُٹھاتا ہوں اور دیکھتا ہوں، ایک کہتی ہے کائنات کا بنانے والا؛ اچھا تو پھر اُس کا بنانے والا؛ اور پھر اُس بنانے والے کا بنانے والا؛ فضول لغو بے معنی! دوسری کہتی ہے رحیم و رحمٰن؛ عالم و عادل؛ نیک و پاک؛ اور اِس پر یہ برائیاں اور مایوسیاں، یہ چھوٹے بڑے کے جھگڑے، یہ کمزوروں پر طاقتوروں کے ظلم، یہ تکلیفیں اور مصیبتیں؛ بے عقلی، کج فہمی، خوش گمانی!

جاہل مریدوں، اکم عقل صوفیوں اور بے عِلم انسانوں کو طعن و تشنیع کرتا ہوا، اپنے نفس سے باغی و بیزار ہو کر میں گھر سے نکل پڑتا ہوں لیکن اپنی خلوت سے یوں پہلو بچاتا ہوا میں کسی کی جلوت سے دوچار ہو جاتا ہوں! اب محض اک میں ہی وہاں نہیں بلکہ مجھ سے کروڑوں اَور بھی ہیں اور یہ پھیلتی ہوئی زمین اور یہ اُٹھتے ہوئے پہاڑ اور یہ سورج کی کرنیں اور یہ بادلوں کے پرے اور دُور، دُور وہ سمندر اور وہ صحرا اور وہ غار اور وہ چوٹیاں اور پھر وہ چاند اور تارے اور اُن کی درمیانی مسافتیں اور اَور کوئی مانے نہ مانے لیکن اُور اَن دیکھی اَن سُنی اور اَن بُوجھی خدا ہی جانے کیا کیا کچھ!!!

خوبصورتی

خوبصورتی، حُسن، رعنائی ـــــ زندگی! تُو اُس دنیا میں چل بس جس کی آبادی یہ پریاں ہیں!

٭

وہ خوبصورت ہے ــــ رسیلی خوبصورت آنکھیں، لمبی خوبصورت پلکیں، گول خوبصورت چہرہ، موتی سے خوبصورت دانت، پنکھڑی سے خوبصورت لب اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے ساتھ اِک دردبھرا خوبصورت دِل، اِک خوش خیال خوبصورت دماغ اور اِک نیک روش خوبصورت روح!

٭

میں خوبصورت ہوں ــــ خوبصورت صورتوں کی تصویر دل میں لٹکاتے ہوئے، خوبصورت خیالوں کی بساط دماغ میں بچھائے ہوئے، نفس کو خوبصورت جذبات کی مُسلسل تلاش، اور روح میں خوبصورت حقیقتوں کی بے تاب محبت اور یہ اِس طرح کہ میرے تصوّر میں بیک وقت ظہور، میرے وجود میں بیک وقت نفوذ زمین و آسمان کی خوبصورتیوں کا، جھلمل جھلمل کرتے تارے، لٹکتے مہکتے پتے، جواہر ریزے اور دُردانے اُونچے پہاڑوں کے گہرے سمندروں کے، عرب کے صحراؤں کی خیال انگیز وسعت، ہند کے دریاؤں کی روح پرور

روانی، اپنی ننھی بچّی کے لبوں کی پیاری مسکراہٹ، اپنی رفیق کی نگاہوں کا متین و معصوم حسن، انسان کی قوّت کا پھیلا ہوا زمینی نقشہ، اور حق و باطل کے تصادم سے پیدا ہونے والی روشنی اور اَور ہزاروں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں خوبصورتیاں جن میں سے کسی کا ٹھیک ٹھیک عکس اور کسی کی محض دھندلی سی تصویر!

*

نفیس ستھرا مکان، چیزیں قرینے سے رکھی ہوئیں، پھولوں سے بچے بچوں سے پھول کھیل رہے، آقا و بندہ کا تعلق سلجھا ہوا، گفتار شائستگی، کردار تمدن، رواداری، آزادی، غلطیاں لیکن معصوم غلطیاں، زمین سبزہ و گُل سے سجی، صحن خوشبوؤں میں بسا ہوا ــــــ یہ ہے میرے اَن دیکھے دوست کا مکان جہاں آنے جانے کا اِذنِ عام مجھ کو ہے اے خوبصورتی!
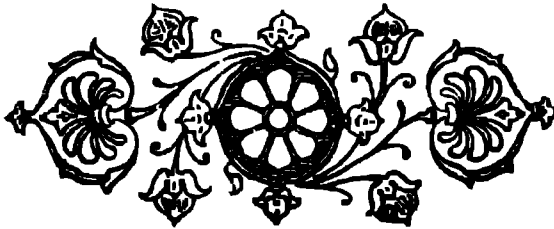
حسرت کہ خوشی

حسرت ہی رہی ہمیشہ اِک حسرت! — کیوں؟ کس لئے؟ اے کم ہیں! اِس لئے؟ کہ جو کچھ تُو نے چاہا اُس میں سے کچھ تجھے مِلا کچھ نہ مِلا! آہ! تو کیا یہ زندگی من مانی مُرادیں پانا ہے؟ نہیں اے بے نصیب! نہیں! دُنیا کی اچھی چیزوں کو اپنا ہی بنا لینا یہ زندگی نہیں، زندگی یہ ہے کہ جو کچھ تیرا ہی ہے اُس سے بھی لُطف اُٹھا تو کچھ نہ کچھ سب کے ساتھ مِل کر، سب کے ساتھ مِل کر ہی! اور اگر اِس طرح لُطف نہیں اُٹھا سکتا تو یہ لُطف نہ اُٹھا بلکہ کوئی اَور لُطف، لُطف کوئی اَور کچھ کرنے، کچھ کر سکنے۔ کچھ بنانے اور یوں کچھ بن جانے کا لطف اے زیاں کار! کیا تُو نہیں جانتا کہ یہ زندگی ایک دردبھری داستان ہے جِسے تجھ کو اِک دردبھرے دِل سے نہ سُننا ہے نہ سُنانا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا غموں کا اِک اُلجھا ہوا سلسلہ ہے جسے انسان اپنے انہماک ہی کے ساتھ سُلجھاتا ہے اور خوشی وہ ہوتی ہے جو اِن اُلجھنوں کے سُلجھانے سے پیدا ہو؟ کیا تجھے اتنی بھی خبر نہیں اے مردہ وتاریک دنیا کے لئے اِک تابندہ زندگی کا پیام لانے والے؟ تجھے اتنی بھی کیا خبر نہیں؟ ——

کب تک اپنی پُرانی عادتوں سے تُو ایک زخم کی طرح چِپٹا رہے گا؟ کب تک؟

چِمٹا رہنا سہل ہے تو ہو لیکن تُو وہ کر جو دشوار ہو اور شاندار!

دل کے اِن زخموں کو ایک دقیقہ رس عقل کے تیز چمکتے نشتر سے ایک بارگی چھیڑ دے اور بہ لینے دے خوب اپنے خون کی ندی کو، خون کہ بند فسادوں سے لبریز ہے اِک مدت سے، خون کہ صاف تر ہوگا اور حیات انگیز اِس تیرے پُرعزم فصد ہی سے —

بگڑے ہوئے کو اُور بگاڑ کہ بنے، اُلجھے ہوئے کو اَور اُلجھا دے کہ سُلجھ جائے، پُرانے کھنڈروں پر آنسو نہ بہا بلکہ نئی ہمت کے ہاتھوں سے اُنہیں مسمار کر دے اور داغ بیل ڈال لے اُس عالی شان نئی آبادی کی، نئی ترتیب و تنظیم والی، نئی تدبیر و تقدیر والی آزاد آبادی کی جس میں خدا کے ستارے اندھیری راتوں میں تیرے برقی چراغوں سے چشمک زنی کیا کریں!

کسی کو اپنا ہی بنانے کی فکر نہ کر بلکہ آپ بن جا اُس کا اور سب کا! اور قبضہ نہ کر صرف تعمیر کئے جا اور اِس مسلسل کام میں عظیم الشان روحوں کا بینا پیرو بن اور چھوٹے دِلوں کا ہمدرد رہبر اور اپنے تئیں بڑا بھی سمجھ لے اور چھوٹا بھی اور گئی گذری حسرتوں کو جی سے مِٹا دے اور آنے والی باتوں کی سمت وہ دُکھ درد لائیں یا آرام و آسائش اِک خاموش مسکراتے ہوئے عزم سے چل نکل کہ یوں تیرے دل میں وہ حسرتیں حسرتیں بن کر نہ رہیں گی بلکہ تیری رُوح کو — خوشی ہی ہوگی ہمیشہ اِک خوشی!

جھلکیاں

یہ ایک طُول طویل جنگ ہے جس کا انجام عقلمندی کی باتوں اور شاندار خیالوں کے اندر نہیں بلکہ جو لمبے دنوں اور بیدار راتوں میں شاید عمر بھر جاری رہے۔

اب کی جب میں اِس گمان میں تھا کہ میں زندگی کے سبھی پہلو دیکھ چکا ہوں، اپنی قسمت کا مالک آپ بن چکا ہوں، قسمت مسکراتی ہوئی آئی یہ کہنے کہ اے خام کار! تو ابھی زندگی کے ہزاروں پہلوؤں سے بے خبر ہے، لے دیکھ اِن ہزاروں لاکھوں میں سے ایک اُور! اور قوت حاصل کر تکلیفوں سے جسم کی اور نا اُمیدیوں سے دِل کی اور اذیتوں سے رُوح کی اے میرے کمزور لاڈلے!

مسوری۔ [illegible]

قدیم اور مُسلّمہ اصولوں میں زمانے کی رفتار کا رخنہ انداز ہو جانا، نئے اصُولوں کا اک طوفان کی طرح چاروں طرف سے ٹوٹ پڑنا، پُرانے وقار، پُرانے علم و عقل، پُرانے اعتقادات اِن سب کا اپنا کام کر چکنے کے باعث کمزور و بیکار ہو جانا، پُرانے تعلقات پر نئی روشنی پڑنا ایسی کہ آنکھوں آنکھوں میں اُن کی جھوٹی چمک دمک کی قلعی

کھُل جائے، پھر دل و دماغ میں ہزاروں غلطیوں پر لاکھوں قہقہے اُٹھنا ـــــ یہ اور ایسی ہی اَور کئی نَو بہ نَو آزمائشیں ہیں رُوح کے لئے اِس دُنیا میں۔ جب تک زندہ ہے آنکھیں کھولے رکھ اور دیکھتا جا!

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تُو اپنے زوروں پر تھا اور دل اور رُوح کی قوت تیری نگاہوں سے ٹپکی پڑتی تھی۔ کچھ دنوں "عمل" تیرا اصولِ حیات بنا رہا؛ تُو سمجھے رہا کہ حقیقت تیری گرفت میں ہے اور تُو اُس کے خزانوں سے مالامال؛ ایک بادشاہ کی طرح تُو اَوروں کے لئے حکم نامے جاری کرتا تھا اِس حال میں کہ تُو محض ایک غلام تھا اپنا اور اپنے بعض خیالوں کا جو چند دنوں کے لئے تیرے معبود بن گئے تھے!

حقیقت اور عرفان اے نادان! کچھ ایسی بھولی بھالی چڑیاں نہیں کہ تجھ سے عالمِ بے عمل کے پھندے میں آجائیں اور پھر وہاں پڑی تڑپا کریں!

نِرے اصولوں کی پیروی نے زندگی کے چشمے کو بند کر دیا خاک سے۔

نِرے علم نے، نِری اُس کی معلومات نے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی دولتوں سے محروم کئے رکھا مدتوں ـــ

نری عقل نے ، نری اُس کی توجیہ و استنباط نے سچّی معرفت کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہزاروں!

رسمی اخلاق کی خشک نصیحتوں نے روح کو پیاسا مار دیا:

چشمہ دامن کوہ میں چھپا ہوا تھا لیکن میری ہٹ دھرمی اُس سے دُور ہی دُور ہوتی گئی!

میں سمجھا کہ میں نے حقیقت کو سمجھ لیا! ــــــ آہ غرور آہ نخوت!

میں نے جانا کہ میں حسین و قوی ہو گیا! ــــــ آہ خودنمائی و خودستائی!

میں علم سے اعقل سے "معرفت" سے مخمور ہو گیا! ــــــ اور میرا نفس بے نُور اور حقیقت مجھ سے مستُور ہو گئی!

مجھ پر کئی باتیں ثابت ہو گئیں، ایک یہ کہ میں جو علم میں "قوی" ہو رہا تھا ابھی عمل میں کمزور ہی ہوں! ایک یہ کہ میرا اخلاقی معیار جو روحانیت کا دعوےٰ رکھتا تھا غلط دعوےٰ رکھتا تھا! ایک یہ کہ حق تک پہنچنے کے ہزاروں رستے ہیں اور بعض جاہلوں کے رستے زیادہ سیدھے ہیں، ایک یہ کہ جب کبھی انسان سمجھنے لگے اپنے دل سے بھی،

کہیں نے حقیقت کو پالیا تو حقیقت کی باندی قسمت اُسے کہیں نہ کہیں اوندھے مُنہ گرا دیتی ہے؛ اور ایک یہ بھی کہ سمجھنے والے کے لئے دقتیں اور ناکامیاں فطرت کی نعمتیں ہیں اور خدا کے خاص تحفے!

صحت کا بھکاری، بیمار بیکار اور اِس لئے نادار، دولت اِس دنیا میں صحت سے ہے اور کسی نصب العین سے اور کسی اعتقاد سے اور ضبطِ نفس سے اور کم سوچنے اور زیادہ کرنے سے اور بھول جانے سے —— پس حیوان بن پیشتر اِس کے کہ تُو انسان بنے، انسان بن پیشتر اِس کے کہ تُو فرشتہ بننا چاہے پھر تُو خدا بنے نہ بنے خدا کا بندہ اور خود دار بندہ ضرور بن جائے گا!

اب نبض پر ہاتھ، اب مقیاس الحرارت کا ممنون، اب اُس کے چڑھتے اُترتے پارے کا پجاری، زندگی سے طلاق لئے ہوئے، زیست کا عضوِ معطّل، کنہ پانے کا مشتاق، کمزور دماغ والا احساس دل، آپ اپنا شکار، اپنے لئے اَوروں کے لئے ایک بے سُود وجُود —— چل باہر کو اپنے اندر سے، اِدھر اُدھر یہاں وہاں، تھک بھی جائے تو

مل جُل اور ہنس کھیل!

جس طرح ہوا ایک تنکے کو اِدھر سے اُدھر دھکیلتی پھرے کبھی پورب کو کبھی پچھم کو، کبھی اُوپر کو اُڑا لے جائے کبھی نیچے کو پٹک دے بس کچھ اسی طرح حالات نے مجھے بنا رکھا ہے ــــــ کیا میں حالات کو یوں نہیں بنا سکتا؛ ضبط کا کوڑا ہاتھ میں لے کر اپنے نفس پر سوار ہو جاؤں اور گوئے زندگی کو لئے پھروں یہاں سے وہاں اور وہاں سے کہیں اَور دُنیا کے میدان میں!

صرف ایک چیز کو ترک کر دے ــــــ خوف کو!

ڈر نہ جا، خوف نہ کر، کانپنے نہ لگ جا۔ اگر تُو اِک صرف دلیر ہو جائے تو تُو ایک نئی زندگی سے دوچار ہو، لیکن اس کی کچھ اُمید ہو سکتی اگر تُو محض اِن صفحات پر اپنی دلیری کو چھڑک نہ دیتا!

میں زار و نزار ڈروں تو کس لئے؟ اگر موت کا سامنا ہے تو اُس انوکھے تجربے

سے حظ اُٹھاؤں اور دیکھوں کہ زندگی کے اُس پار کیا کچھ ہے؛ اگر اُدھر کوئی نئی زندگی ہے تو اُس کے لئے ایک نئی شخصیت بناؤں اگر نئی مشکلات ہیں تو اُن کے لئے کوئی نیا ارادہ باندھوں اور تیار ہو جاؤں اُس دشوار لیکن شاندار مقدر کی پیشوائی کے لئے جو محض برگزیدہ رُوحوں کا حِصّہ ہے!

اِس "جبری آرام" کو تضیع اوقات نہ سمجھ۔

اِس آرام میں وہ کام ہے جس کے انجام دینے سے تُو اِک عمر قاصر رہا یعنی اپنی سیرت کو دیکھنے بھالنے اور پرکھنے اور مضبوط بنا لینے کا اہم تریں کام!

جب تُو لیٹے اور آرام کرے تو صرف آرام کرے، جب تُو نہائے دھوئے تو جسم ہی کو پاک و صاف کرے، جب تُو لِکھے پڑھے تو غور و دلچسپی سے اور جب تُو کھائے پیئے تو بھی توجہ اور یکسوئی سے یعنی جب تُو کوئی کام کرے تو بس وہی کام کرے اِس طرح کہ تیری زندگی اُسی کام کا سرانجام دینا ہو۔

جب تُو بچوں سے کھیلے تو اِک بچہ سا بن جائے! جب تُو بڑوں سے بات چیت کرے تو تیری باتیں بے معنی نہ ہوں! جب تُو اِک ملازم سے بھی کچھ کہے تو اُس کی بھی سُن لے اور اُس کی ہر بات کو فریب کاری یا ابلہی سے تعبیر نہ کرے۔

اپنے تئیں تُو ایک خدائی فوج دار تصوّر نہ کرے جس کے آگے سب کچھ ہیچ ہو

اور لغو! تُو اپنے نفس و رُوح کا سردار بنے ضرور لیکن دُوسروں کے لئے اُن کی فوج کا ایک معمولی وفادار جواں مرد!

اِس وقت میری زندگی مطمئن ہے جیسے کسی خوشنما کوہستانی جھیل کا پانی اور جی چاہتا ہے کہ یُوں ہی رہے ہے، لیکن اگر قدرت کو منظور ہے کہ میری زندگی کو عظمت حاصل ہو تو وہ اِس ساکن جھیل میں کسی روز سمندروں کا طوفان برپا کر دے گی، ——— اگر اُسے یہ منظور ہے!

کچھ عرصہ میری یہ کیفیت رہی کہ جسم کی کمزوری کے ساتھ دل بلکہ رُوح بھی کمزور ہوتی گئی اور میں یہ سمجھا اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو اور اِن سب کو تسلّی دیتا رہا کہ کمزوری اِک نوع کا آرام ہے جلد بازی اور تشویش اور ولولہ انگیزی کے بعد سو حرج نہیں کہ یوں آرام کروں۔

لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ اِس "آرام" میں کمزوری عارضی طور پر نہیں بلکہ مستقل طور پر اپنا کاشانہ تعمیر کر رہی ہے۔ گویا میں بدبخت بلکہ کم فہم اِس قدر کمزور ہوں کہ کمزوری بھی اب مجھ پر اپنا زور جتانے اور اپنی طاقت آزمانے لگی ——— اُٹھ اے بُزدل!

اِس کمزوری ہی سے کچھ سیکھ!

تکلیفیں تلخ ہیں لیکن گزر جانے پر شیریں؛ زندگی کے کتنے پہلو پیشِ نظر ہو جاتے ہیں!
بے وفائی دُکھ دیتی ہے دل کو لیکن دُنیا کیونکر اپنے اصلی رنگ میں نظر آ جاتی ہے!
دھوکے پُرلطف ہیں لیکن بصیرت دل خوش کن ہے اور رُوح پرور!

صحت، ہاں جسم کی، لیکن یہ لاحاصل ہے اور بے اعتبار جب تک دل کی صحت
بھی نہ ہو اور یہ ہو تو پھر صحت ہی صحت ہے علالت میں بھی!
دل کو دل بناؤں اور اُس سے جسم و جان میں اک نئی رُوح پھُونک دُوں!
ڈر، روپے کو کھو بیٹھنے کا، عزت کے گُم ہو جانے کا، بے چینی کے آ جانے کا،
کچھ ہو جانے کا، یہ ڈر اور ہزاروں اَور ڈر، یہ سب ڈر چھوڑ دوں اور مسکرا کر اور مطمئن
ہو کر ہر آنے والی شے سے مِلوں اور اُس کے ساتھ بڑھوں اور بجائے اِس کے کہ
واقعات میری طرف آئیں میں واقعات کی طرف چل دوں، آگے کو ہمیشہ آگے کو اور ہمیشہ
نہ ہو سکے تو جب بھی ہو سکے، ہر روز ہر گھڑی بلکہ ہر ہر ثانیے میں!

صرف اِس لئے کہ مجھے شہرت نہ ملی مَیں شہرت پر طعنہ زن ہُوا، صرف اِس لئے کہ مجھے عزت نصیب نہ ہوئی میں نے عزت پر آوازہ کسا، صرف اس لئے کہ میں بغیر خود محنت کئے دولت سے مالامال تھا میں نے دولت کے حصول کو بددیانتی قرار دیا اور بددیانتی کو مَیں نے بُرا کہا صرف اِس لئے کہ مجھے بددیانت بننے کی حاجت نہ تھی!

اور یہی نہیں کہ میں نے علی الاعلان دُنیا اور دُنیا والوں کو قابلِ ملامت کہا بلکہ میں نے چُپکے چُپکے دل کے اندر ہی اندر کائنات کے آئین و قوانین کو ناقص اور لغو تک کہہ دیا اور یہ سب اِس لئے کہ میرا دل ایک غلط قسم کی خود غرضی کے باعث خود غمگین و بے آئین ہو گیا!

شکر ہے کہ رُوح نے دل کی اِن چالوں کو کچھ نہ کچھ بھانپ لیا، شکر ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ میں ہی اپنا سب سے چالاک دشمن ہوں!

میری غلط نکتہ چینی میری کاہلی کا نتیجہ تھی! اب میں اگر اپنی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لُوں تو یقین ہے کہ اپنی صداقت شعاری و راست روی سے میں دُنیا کے لوگوں اور دُنیا کی چیزوں کو درست طور پر دیکھ سکوں!

کیا یُوں تو نہیں کہ جب تُو "گمنامی" "گمنامی" کہتا ہے تو تُو چاہتا ہے ناموری کو، جب تُو "ایثار" کی رٹ لگاتا ہے تو چاہتا ہے قبضہ کر لینا اور اپنا ہی بنا لینا، اور اسی طرح

جب تُو ہمدردی کرتا ہے کسی سے تو چاہتا ہے کہ کوئی تجھ سے ہمدردی کرے اور جب تُو کسی بھکاری کو بھیک بھی دیتا ہے تو صرف اِس ڈر سے کہ کہیں بدقسمتی تجھے بھی یُونہی اپنی شاہراہ پہ نہ لا پھینکے؛

جب تُو نیک بنتا ہے تو کیا یہ تو نہیں کہ تُو فی الحقیقت اپنی بُرائیوں پر پردہ ڈالتا ہے؛

دُنیا کے متعلق، دُنیا والوں کے متعلق میری روش کس قدر مختلف ہو اگر میں کوئی کام کروں اور کرتا رہوں!

خدا کے متعلق، اُس کی کائنات کے متعلق، میرے خیال کس قدر بہتر ہوں اگر میں محض سوچتا نہ رہوں!

میں کس قدر بہتر باتیں کروں اگر مجھے باتیں کرنے کی اِتنی خواہش نہ ہو، کس قدر بہتر لکھوں اگر مجھے لکھنے کی اِتنی ہوس نہ ہو، میں کس قدر بہتر زندگی گزاروں اگر میں زندگی کو محض یوں گزرنے ہی نہ دُوں!

نہ میرے عزیز، نہ میرے دوست، نہ یہ لوگ، نہ یہ دُنیا، نہ اِس کے حالات بُرے ہیں بلکہ جب بھی یہ بُرے ہوں قصُور میری ہی نظر کا ہے: جب میرے دل میں کبھی نُور

کا پر تو سا پڑتا ہے تو اس وقت یہ بات مجھ پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ پھر مجھے ہر شے اور ہر شخص کے اندر عیب کم اور خوبیاں زیادہ ہی زیادہ دکھائی دینے لگتی ہیں اور میں ششدر رہ جاتا ہوں کہ میں اُن کو کیا سمجھتا تھا اور وہ کیا نکلے!

چھوڑ دوں یہ تنگ دلی یہ تنگ نظری یہ تنگ عملی! ایک بلند نقطۂ نگاہ سے دیکھوں اَوروں کی زندگی کو اِس غرض سے کہ اُن کی مدد کر سکوں اُن سے مدد لے سکوں! اور اِدھر اپنی نیک دلی اور دلیری سے عمل کی راہ پر چل سکوں اور دوسروں کی نکتہ چینی پر اطمینان کے ساتھ مسکرا دوں!

کوئی میرا ہی ہو جائے اور مَیں کسی کا ہی بن جاؤں اور بس، چیزیں میری ہی ہوں اور میں چیزوں کا ——— کس قدر خود غرض، کس قدر قدر ناشناس ہیں یہ خواہشات! اگر کوئی میرا ہی ہو جائے تو دُنیا کسی کے وجُود سے کتنی محروم ہو جائے! اگر کوئی میرا ہی ہو جائے تو اُس کی خُوبیاں میری نگاہ میں چھوٹی چھوٹی اور اُس کی کمیاں بڑی بڑی سی نظر آنے لگ جائیں۔

اور اگر میں فقط کسی کا ہو جاؤں تو مجھے کتنا کچھ ہونا پڑے کہ مَیں اُسے جلد ہی

مائوس نہ کر دوں اور کتنے نظارے ہیں زندگی کے اور دُنیا کے اور اپنے خُدا کے جن کے دیکھنے سے میری رُوح کی آنکھیں محروم رہ جائیں اگر میں صرف کسی کا ہو جاؤں اور بس!

اگر چیزیں میری ہی ہوں تو نہ صرف چیزیں گویا حقیر ہو جائیں بلکہ میں بھی اُن کی بُہتات سے کنگال اور نامُراد ہو جاؤں۔

اور اگر میں صرف چیزوں کا ہو جاؤں تو پھر میں خدا کا بندہ اور کائنات کے دل کی دھڑکن کیا بنا رہوں؛ میں فقط چیزوں میں ایک چیز ہو جاؤں اور بس اگر میں چیزوں کا اور چیزیں میری ہی ہو جائیں!

خوف نہ کھا، نفرت نہ کر، اور صرف خیالوں میں زندگی بسر نہ کر!

دُنیا کا باشندہ بن، اَوروں کے رنج و راحت میں حصّہ لے اور اِس معمولی کو غیر معمولی سمجھ!

کائنات جس میں ایک ذرہ بھی صحرا اور ایک قطرہ بھی سمندر ہے اُس میں بڑے چھوٹے کی تمیز نہ رکھ!

سب کچھ کر، کچھ بھی نہ کر، کچھ کر یا نہ کر لیکن ہاں انجام کی فکر نہ کر!

تیرے کرنے سے کائنات کچھ عرش پر نہ پہنچ جائے گی اور تیرے نہ کرنے سے وہ جہنم میں نہ گر جائے گی۔ تُو کچھ کرے تو اچھا، نہ کرے تو خیر لیکن یہ کبھی خیال نہ کر کہ اِس سے دُنیا میں یا تیری زندگی میں کبھی کوئی ارضی یا سماوی آفت آ جائے گی۔ دُنیا کے لئے اِک تباہی ہی ہے اور زندگی کے لئے بس اِک موت: اِس سے بڑھ کر اور کیا؛ اور تباہیاں اور موتیں ہر ثانیہ ہزاروں اور لاکھوں ہی آتی رہیں، آتی ہیں اور آیا ہی کریں گی؛ سو فکر کاہے کی اور غم کس لئے؛

ہر کام کا، ہر بات کا انجام ہے اور انجام ہے کسی نہ کسی اَور کام کے اندر، کسی نہ کسی اَور بات کے اندر اور سبھی کام اور سبھی باتیں اِک تیرے بس کی نہیں۔ کام تُو جو بھی کرتا ہے تو وہ اَور کوئی کرتا ہے تیرے ہاتھوں سے؛ صرف تیری نیت نیک اور تیرا دل راست ہو اور باقی جو ہوتا ہے ہونے دے کہ ہونا ہی یوں ہے جیسے کہ ہو رہا ہے، ایسا ہی ہوتا رہا ہمیشہ اور کیا کچھ ہو گا یہ تجھے معلوم نہیں اور ابھی نہ معلوم ہو تو شاید یہی بہتر ہے!

وفاداری کے دعوے عبث!

بے اعتنائی کے ارادے فضول!

جیتے جاؤں جیسے ہو

اُس کا بن، اِس کا بن، اپنا بھی اور دوسروں کا بھی ——— جو بن پڑے!

مایوسی! کچھ نہیں

اُمید! کوئی نہیں

سرگرمی خاموش

خاموشی سرگرم

صرف زندگی!

زندگی کو گوناگوں دلچسپیوں سے رنگین و زریں بنا لے!

دلچسپی ہی ہے جو اِنسان کی دلیری کو قائم رکھتی ہے؛ خوشی کی دلچسپی نہیں تو غم کی دلچسپی ہی سہی مگر دلچسپی ضرور ہو اور غم بھی جبھی تک کر کہ وہ دلچسپ رہے! جہاں غم پھیکا ہو گیا غم کا لُطف جاتا رہا۔

وہ جو رنگیں ہو وہ غم ہو یا خوشی، شک ہو یا اعتقاد، محبت ہو یا بے اعتنائی تُو اُس کا ہو جا کہ وہ تیری ہو جائے! پھر جب اُسے تجھ میں کچھ نہ ملے جب تُو اُس کے

لئے پُرانا ہو جانے تو وہ بھی تیرے لئے پُرانی ہے اور بے کار۔ زندگی فقط دلچسپی میں ہے اسے اُکتائے ہوئے!

کیسی کیسی ساعتیں آتی ہیں، کیسے کیسے روشن لمحے آکر رُوح کو بیدار کر دیتے ہیں، کسی اَن دیکھی دُنیا کے نظارے آنکھوں میں پھر جاتے ہیں؛ دل کیسے کیسے اِرادے کرتا ہے کہ معلوم ہونے لگتا ہے گویا مَیں بھی اکابرِ دُنیا میں شامل ہوں ——— لیکن وائے قسمت! بلکہ ہائے کم ہمتی! کہ دو ہی گھڑی کے بعد اِک ذرا سا واقعہ، اِک ذرا سی بات ہوئی اور وہ سارے ارادے، وہ سارے کے سارے عظیم الشان منصوبے خاک میں مِل گئے اور طبیعت کبھی اندر ہی اندر اور کبھی کھُلم کھُلا قابو سے باہر ہو چلی!

کیا یہی ہے وہ رُوحانیت جس پر مجھے اِتنا ناز تھا؛ بس یہی؟

جہاں دل میں کوئی خیال آیا ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اِسے لکھ لو، یہ بہت اچھا خیال ہے؛ گویا جب تک قلم اور کاغذ میرے خیالات سے رُوسیاہ نہ ہولیں مجھے

خیال کرنے میں مطلق مزا نہیں آتا۔

ہر خیال، ہر عمل جو ظہور میں آتا ہے کبھی نہ کسی پر احسان کرنے کے لئے آتا ہے! کس قدر چھچھورا ہے انسان کا خیال بھی اور اُس کا عمل بھی۔ اور میں تو اکثر محض خیال تک محدود ہو جاتا ہوں اور چونکہ ایک خیال بھی اگر اُس میں کچھ جان ہو یُوں محدود نہیں ہو جاتا اِس لئے وہ اپنے میدانِ عمل کی تلاش کرتا ہے، اگر میری زندگی میں نہیں تو کم از کم سیاہی سے کسی سفید رُو کاغذ پر ہی۔

پھر اِس قصُور کا بار کس کی گردن پر ہے؛ خیال کے سر نہیں بلکہ سراسر میرے ہی سر جو اِک خیال کو بھی سہار نہیں سکتا، دل میں چُپکے سے جگہ نہیں دے سکتا مبادا اِس سے وہ میری زندگی میں عمل کی صُورت اختیار کر لے۔

خیال اگر وہ "کہا" نہ جائے تو "کیا" جاتا ہے! میں خیالوں کو کہہ ڈالتا ہوں کہ مجھے کچھ کرنا نہ پڑے!

دولت بہت کچھ ہے کاروباری دنیا میں، لیکن خوشی کی اِک اپنی دولت ہے!

آرام آرام وہ ہے زندگی کے اضطراب میں، لیکن اِک حسّاس دِل کے لئے آرام میں آرام کہاں؟

خیالات کی قلمبندی عقلمندی سہی، لیکن خدا کی کائنات کا اِک کروڑواں حصّہ

بھی قلم اور کاغذ اور سیاہی اور سفیدی کی فسوں کاریوں کے اندر کیا گھر سکے؛
اے نام نہاد خود دار! یہ خود داری بیکار ہے!

سمجھتا تھا کہ کم از کم یہ ایک جگہ ہے میرا ماویٰ وملجا، کم از کم اِک اپنا آپ ہے اپنے
دل کا ہمراز و ہمدرد! لیکن نہیں، روز نہ سہی، ہر دوسرے تیسرے، ایسی ایسی باتیں
جی میں اُٹھتی ہیں، ایسی ایسی آرزوئیں، ایسی ایسی حسرتیں کہ ہر وقت دِل میں دُہرایا کروں
تو دل ہر لمحہ جان سے جائے۔
کیا کروں؟ اپنے ہی لئے اپنے آپ سے بے اعتنائی برتنی پڑتی ہے، روکنا
پڑتا ہے اپنے آپ کو، مُنہ پھیرنا پڑتا ہے اپنے آپ سے ـــــ خدا نے ایک ہی رُوح
میں دو شخصیتیں رکھ دی ہیں کہ ایک دوسرے کی دوست نہیں ہو سکتیں جب تک ایک
دوسرے کی دشمن بھی نہ بنی رہیں!

جو کچھ ہے وہی بہتر ہے اِس لئے کہ جو کچھ ہے وہ صرف بہتر نہیں بلکہ بہترین بھی
اُسی میں مضمر ہے اور وہ بروئے کار آسکتا ہے خدا کی مدد سے انسان کی ہمت سے!
تیری زندگی میں بھی اے میرے مایوس دوست، اے اپنی گمنامی کے آپ شیدائی!

تیری زندگی میں بھی وہی بہتر ہے جو ہے کہ اِس ساری فرضی یا اصلی تخریب پر جو آج کل
تیری زندگی ہے ایک ایسی حیرت انگیز تعمیر بن سکتی ہے جسے دُنیا پسندیدگی سے دیکھے
نہ دیکھے لیکن جسے خود پسندیدگی اپنا مسکن بنانا چاہے!
پھر اور تُو کیا چاہتا ہے؛

مَیں آزاد ہو گیا؛ کس طرح؛ علیحدگی میں، تنہائی میں، خاموشی کے اندر، یوں
آزادی مِلی مجھے!
میں عشرتوں کی گود میں تھا کہ کچھ جسمانی تکلیفیں، کچھ نام نہاد دِقتیں مجھے لینے کو
آئیں، خوشا نصیب کہ میری کاہل خوش قسمتی کے دِن پھرے!
پھر کیا مجھے دُنیا والوں کی رُوگردانی قسمت کا بلکہ خود اُن کا احسان ہی نہیں مجھ پر؛
اے بے اعتنائی! تُو زندگی کی بیداری ہے میرے لئے! اے بے وفائی! تُو نے
وفا کو بیدار کر دیا میری رُوح میں، شکریہ تیرا!

آزاد، آزاد، آزاد ہوں میں اے غلامی!
آزاد ہے تیرا غلام اے خواہش! اور تیرا غلام اے نیکنامی! اور تیرا غلام اے
علمیت! اور اے قابلیت اور اے صلاحیت!
مصروفیت کی بیڑیاں، علمیت کی بیڑیاں، معرفت کی بیڑیاں اور آخر فراغت
کی بیڑیاں بھی سب ٹوٹ کر رہ گئیں! سب توڑ دیں میری اچھی قسمت تُو نے! شکریہ تیرا!

میں گرا کہ اُبھروں، میں جھکا کہ سرفراز ہو سکوں!
زعم جاتا رہا، تکبر کا سر نیچا ہو گیا تاکہ رُوح اُونچی ہو جائے!
ارادے ملیامیٹ ہو گئے، تعمیریں تخریب کی تصویر بن گئیں تاکہ اِن کھنڈروں
پر نئی پُرفضا آبادیاں بس جائیں!
میں دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہو گیا تاکہ اپنے دل سے الگ مشورہ کر سکوں!

تُو رہِ راست سے زیادہ، بہت زیادہ دُور نہ تھا لیکن تُو نے جو یہ سمجھ لیا کہ
تُو نے راہِ راست کو پا لیا، یہ تھا اور بھی اُس سے بھٹک جانا!
راہِ راست کو کب کسی نے پایا، رستے سارے کے سارے جاتے اُسی ایک

راہ کی طرف ہیں لیکن شاید اُس سے ملتے نہیں، کیا اِس لئے کہ شاید وہ راہ خود بھی کبھی کسی ایک راہ پر قائم نہیں رہتی ؟

مگر تُو اے تھکے ماندے مسافر! جی نہ ہار اور کچھ گرتے پڑتے، کچھ بھاگتے دوڑتے اور کچھ سستاتے ہوئے، کسی نہ کسی رستے پر چلا ہی چل۔

چل بے شک آہستہ ہی آہستہ لیکن چل ضرور اور آرام بھی لے کبھی کبھی ضرور اور بھول بھی جا بُری باتوں کو اور اچھی باتوں کو بھی گاہے گاہے اور ایسے ہی چلا چل بہاروں اور آندھیوں کی اِس راہ پر نت نئے نظارے دیکھتا ہُوا اور جب نہ دیکھتا ہُوا تو سوچتا ہُوا اور جب نہ سوچتا ہُوا تو صرف مدہوش ہو کر چلتا ہُوا ——— نوعِ انسان کا کھویا ہُوا سا خواب!

ایک وہ زمانہ تھا کہ مجھے محسُوس ہُوا کہ مَیں نے خُدا کو دیکھ پایا رُو در رُو !

اور ایک وہ زمانہ تھا کہ محبت میں مَیں نے جنّت کی جھلکیاں دیکھ پائیں !

اور ایک وہ زمانہ تھا کہ اپنی نت نئی قوتوں سے مخمور ہو کر میں نے تصوّر میں دُنیا کی ماہیت اور زندگی کی قوت کو جانچ لیا!

اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ میری رُوح بالکل نقاہت کی تصویر بن گئی اور دُنیا مجھے بودا اور نکما سمجھ کر ہنس پڑی، شاید ابھی ہنس رہی ہے !

لیکن اب پھر اِک زمانہ آرہا ہے، آگیا ہے میرے دل کے اندر ہی اندر ،
جب میری رُوح میں اِک نئی معرفت اور اِک نئی محبّت اور اِک نئی قوّت کا خون ہر سُو
دوڑے گا اور میں اپنی جہالت میں آگاہ، اپنی خود غرضی میں ہمدرد اور اپنی کمزوری
میں بے باک و قوی ہو جاؤں گا!
وہ شیشہ جو مصائب کے پتھروں پر گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا اِن پتھروں ہی کو میرے
اور کائنات کے لئے آئینہ حُسن بنا دے گا!
اے مصیبتو! تم آؤ لیکن اے دل کی ہمّت اور اے خدا کی رحمت! تم میرا
ساتھ نہ چھوڑنا!

اب سمجھ لے کہ تو صحت مند ہے اور ہو رہا ہے اور ہو جائے گا۔
اب ہنس کھیل اور زیادہ غور نہ کرنا سیکھ اور باغوں میں ٹہل اور محفلوں میں مسکرا
اور باتیں کر!
اب بھول جا، اب زیادہ خیال بھی نہ کیا کر، اب زیادہ منصوبے بھی نہ باندھا کر،
مستقبل شاندار ہی ہو گا سمجھ لے!
یہ غلط فلسفہ ہو لیکن صحیح زندگی یہی ہے!

مانا مَیں فارغ ہُوں، میرا کوئی نصب العین نہیں، نہ سیاسی نہ معاشری نہ مذہبی کسی دائرے میں بھی مَیں کسی کام نہ آیا، کہیں بھی میں نے کچُھ نہ کیا۔ بلا ریب یہ سب کچھ یوں ہی ہے، بلاریب؛ مانا میں نے کہ دنیا مجھ کو نہیں جانتی پہچانتی لیکن کیا ضرور ہے کہ وہ مجھے جانے اور مانے، کیا ضرور ہے کہ میں مشہور ہی ہو جاؤں نزدیک و دُور؛ کیوں کس لئے، آخر کس لئے یہ سب کچھ ہو جائے؛ اس لئے کہ دُنیا مجھے سراہے اور میں اُسے؛ نہیں اے زار و نزار دل! تُو بن سچّا اور نڈر اور دلیر، یہ کافی ہے اور سچّائی کو اپنا معبود بنا لے اور شہرت اور عظمت کو پس پُشت ڈال دے اور پھر دیکھ کہ زندگی کیا ہے؟

ہاں ہاں میں مشہور نہیں ہُوا، میرے عزیز و احباب مجھ سے مایوس ہو گئے، یوں ہی سہی، میں نے اک عمر دولت اور وہ بھی کِسی اَور کی کمائی ہوئی دولت کی آغوش میں گزار دی، مصیبتیں مجھ پر نہ پڑیں، دِقتیں مجھے پیش نہ آئیں، برسوں گزر گئے اور میں اپنی خلوت گاہ ہی میں مقیّد رہا اپنے آپ ——— یہ سب کچھ سہی لیکن اگر اِسی گمنامی، اِسی مایوسی، اِسی آرام پسندی اور اسی عُزلت نشینی میں مَیں اپنے خیالوں اور اپنی باتوں اور بالکل ننھے ننھے سے کاموں میں بڑوں اور چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ صرف اِک سچے دل کے ساتھ زندگی گزاروں چُپکے ہی چُپکے تو میں واقعی زندہ ہوں!

دُکھ درد میں ہو تو دُکھ درد سے بے نیاز ہو جا اور مسکرا بغیر مسکراہٹ کے اگر صرف یہی تجھ سے ہو سکے۔

خوشی آئے تو خوش ہو جا لیکن خوشی کی پُوجا نہ کر اور نہ تکلیف اور غم کے آگے ہاتھ جوڑ دے، دلیر ہو اور نڈر، دلیر اور نڈر! آرام کیا شے ہے! معمول کا بندہ نہ بن! مضحکہ اُڑنے دے، نکتہ چینی ہونے دے اپنے نکمے پن کی، اپنے انوکھے پن کی؛ تُو نکما نہیں اگر تُو کچھ کام نہ کرے بلکہ اگر باتیں کرے کم اور خیال بھی کرے زیادہ تو تُو خدا کا بندہ ہے اور اِک سچّا انسان!

اپنے تئیں ذلیل کبھی نہ ہونے دوں؛ اپنی بعض ضدیں، بعض ہٹ دھرمیاں، بعض کج ادائیاں جان بُوجھ کر قائم تو نہ رکھوں لیکن بے رحمی سے اُن کا قلع و قمع بھی نہ کر دُوں جب تک میری زندگی ہے جو کہ ہے۔

اگر اور جب تک اِس دُنیا میں اِنہیں لوگوں کے درمیان اِنہیں کے سے طور طریقوں سے زندگی بسر کروں اُس وقت تک یہ تو ضرور ہو کہ بتدریج اپنی فروگزاشتوں کو دُور کرنے کی کوشش بھی کروں لیکن یہ نہ ہو کہ دوسروں کی ضدیں تو برداشت کیا کروں اور اپنے تئیں کبھی ضد نہ کرنے دُوں!

کبھی شکست نہ مان، اپنے دل کے اندر گو اَوروں کے سامنے اعتراف ہی کر!
ہٹ بڑھنے کے لئے، بڑھ اَور بڑھنے کے لئے ہمیشہ!
بُزدل نہ بن، اپنی توہین ہونے دے تاکہ تیری خودداری قائم رہے!
ہمیشہ آگے کو چلا چل اِس طرح کہ تیرے لبوں پر مسکراہٹ ہو اور تیرے دل میں عزم!
پھر تُو دیکھے کہ تیری رُوح کبھی شکست نہ کھائے اور تو کبھی اپنے خدا کے سامنے شرمسار نہ ہو!

کیوں میرے آج کو کل اپنی قبر میں گھسیٹے؟ اُس زندہ کو یہ مُردہ!
کیوں میری ندامتیں میرے عمل کو اشکباری کا پیغام دیں؟ کیوں میرے رشک و حسد میری ہمّت و صلاحیت پر اپنے سیاہ پردے ڈال دیں؟ کیوں ہٹ دھرمی میرے اعتراف کا منہ اپنی خاک سے بھر دے؟
کیوں "یہ کر چکا ہوں" "یہ کروں گا" کو وہ کام کرنے سے روکے جس کا نام زندگی ہے؟

کیا کچھ سکھا رہا ہوں اپنے نفس کو۔ وہی ایک سبق ہر روز صبح کو دُہرانا پڑتا ہے اِس بچے اِس کند ذہن ہٹیلے کے آگے! اور یہ ہے وہ سبق کہ نہ گزرے ہوئے نہ آنے والے کل سے بے کل ہو بلکہ گزرتے ہوئے اور جاتے ہوئے آج کے ساتھ ساتھ چل اے

ندامت کے مارے اسے فکر میں ڈوبے ہوئے ! اور زندگی کے قاعدے کا یہ پہلا لفظ سیکھ اور بار بار سیکھ کہ یہی آخری لفظ بھی ہے، کیا؛ یہی ——— "اب" یعنی "جب" اور "کب" کو چھوڑ اور اِس "اب" کی طرف منہ موڑ - نہ یہ کل اور نہ وہ کل بلکہ آج اور صرف آج اور کل کو بھی دیکھ تو اِسی آج کے اندر اور بے کل ہو بھی تو مزے سے اور تڑپ بھی تو اِک انداز کے ساتھ یوں کہ تماشا بن آپ اپنے لئے، ہر روز بلکہ ہر گھڑی اگر چاہے -

اِک بالکل نیا منظر اپنے لئے تو ہو اور یہ اِس طرح کہ دیکھتا جا اپنے آپ کو اور اَوروں کو جن میں ایک سے ایک نرالا اور ایک سے ایک بہتر و بدتر ہے، اے کمتر و بالاتر اے وہ رُوح جس سے سب روحیں قائم ہیں اِس فانی دنیا میں !

تنہائی، اُداسی، بے چینی، جسم میں کرب، دماغ میں اِضمحلال، دل میں کوفت !

اِرادے سب چُپ چاپ، خوشیاں سب گُم سُم !

سیرت کو خوش تر، قوی تر، بہتر بنا لینا کچھ آسان نہیں !

ہزاروں گھائیوں کے بیچ میں بہتی ہے یہ ندی، گھاٹیاں دقتوں کی، مصیبتوں کی، کشمکشوں کی ! ندی کامرانی کی ؟ نہیں نہیں ! صرف سعیٔ پیہم کی !

زندگی پر صبر و تحمل، خدمت و محبت، آگاہی و عزم پے بہ پے اِن کی ملی جُلی شعاعیں ڈال رہا ہوں اِس لئے ہاں اِس لئے کہ میری زندگی وسوسوں اور نااُمیدیوں میں گھر رہی ہے اور اِس زرغے سے نکل آنا اُس کی قسمت میں لکھا ہے!

مُستقبل سے نہ ڈر، قسمت کا غلام نہ بن، واقعات کو اہمیت نہ دے میرے دل!
جو کچھ ہونا ہے سو ہو اُس کا سامنا کرنے کے لئے میں جو ہوں!

یہ نہ سمجھ کہ تُو ایک اِرادے کی جست میں پھلانگ جائے گا اُن تمام رُکاوٹوں پر سے جو تیری قسمت یا تیری فطرت نے مدّتوں سے تیری راہ میں ڈال رکھی ہیں۔
پھر کیا ہو تیرا اِرادہ؟ تیرا ارادہ یہ ہو کہ ایک ارادے کی شکست پر دُوسرا اِرادہ تُو بھیجے اور بھیجتا رہے زندگی کے خطرناک محاذ پر، پھر تُو دیکھے کہ شکستیں اِن کے لئے ہیں تو ہوں لیکن تیرے لئے نہیں!

رنج ہیں تو ہُوا کریں، خطرے آتے ہیں تو آئیں، آخر انسان ہوں کوئی پتھر نہیں کہ

ٹکرا کر پاش پاش ہو جاؤں؛ دل کے سو ٹکڑے ہوں پھر بھی دل ہے، جسم ہزار تکلیفوں کے نیچے دب کر پس جائے اور اپنی قبر میں پناہ ڈھونڈھ لے لیکن انسان وہ جاندار ہے جو لاکھ موتوں پر بھی زندہ ہے اور جس کی رُوح روز روز کی غلامی میں ہمیشہ کے لئے آزاد ہے!

مایوس ہو جا، ہمت نہ کر "سک"، دِل توڑ لے!

سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جا، لیٹ جا، بے چین ہو، کروٹیں بدل، کانپنے لگ جا!

بدن کے تابع ہو، دل کو ڈھونڈھ کہ کہاں ہے، روح میں یقین نہ کر! یہ سب کچھ ——

لیکن دو چار گھنٹے کے بعد، دو چار دِن کے بعد، بیسیوں راتوں کے بعد ایک صبح اُٹھ اور اِن سب پر مُسکرا دے۔

پھر دِن اور رات کمزوریوں کا تماشا دکھا اپنے آپ کو اور اَوروں کو بھی، کچھ دن، دنوں کی ساعتیں، ساعتوں کے ثانیئے پھر اُسی طرح گزار، ہمت ہار دے، آنسو بھر لا، کمزوری کا پُجاری بن جا ——

لیکن دوبارہ اِس سب کچھ کے بعد ایک شام پھر ڈوبتے سُورج سے مسکرا کر یہ کہہ دے کہ میں بھی ڈوبوں گا تو تیری سی شان وشوکت کے ساتھ اور پھر جس طرح تو کل نمودار ہوگا اُسی طرح میں بھی اس مصیبت بھری دنیا میں اپنے لئے مزید قوت اور

مسلسل محنت اور مطمئن خوشی کا پیام لے کر پھر اُٹھوں گا اور پکاروں گا کہ میں ہوں ایک سچا انسان، اپنے خدا کا بندہ اور اپنی آزادی کا مالک!

کیا کیا اِس زندگی میں ابھی میرے لئے موجود ہے میں نہیں جانتا، مَیں جاننا نہیں چاہتا: میں چاہتا ہوں حیرتیں ہی میرے انتظار میں کھڑی ہوں، میں چاہتا ہوں اِس باغ میں میرے لئے پھول ہوں، کانٹے ہوں، خوشبوئیں ہوں، تُند ہوائیں ہوں، سب کچھ ہو، کچھ بھی ہو لیکن اِنجماد، سکون، سرد مہری، محض آرام، زندگی کو قتل کر دینے والا آرام، یہ نہ ہو!

جب دُھواں دھار بادل چھا جائیں، بجلیاں چمکیں، رعد گرجے، دنیا ساری تیرہ و تار ہو جائے اور طوفان زندگی کی بستی پر ٹوٹ پڑے تو نااُمید نہ ہو کہ نااُمیدی کے بادل پھر جلد ہی ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھٹ جائیں گے اور نئی اُمنگوں کی کرنیں رحمتِ ایزدی کے سُورج سے ترستی زمین پر اپنی سنہری روپہلی بارش کرنے لگیں گی! ـــــ اے مجبور! تجھے پھر اختیار ملنے والا ہے!

جو کچھ بھی میرے بس میں ہے وہ تو میرے بس میں ہے پھر اُسے قسمت کے ہاتھوں میں کیوں چھوڑ دوں، اُس میں اپنی ہی فطرت کی مدد کیوں نہ چاہوں اپنی ہی فطرت کی مدد کیوں نہ کروں؛

اچھا شہرت بھی نہ سہی، نام و نمود بھی غیر ضروری ہے، اَوروں کے طریقے ہوا و ہوس کی راہیں ہی ہونگی، ہوا کریں مجھے کیا؛

میں اکثر اپنی چار دیواری میں بند ہی سہی لیکن اِس بندش میں بھی اپنے آپ سے تو آزاد ہو جاؤں، اِس قید میں اپنے جسم و جان میں زندگی کا خون دوڑنے دوں اور اگر یہ نہیں تو پھر گویا میں اپنی کمزور رُوح کا قبالہ ہمیشہ کے لئے مہربان قسمت کی بے رحمیوں کے نام لکھ چکا!

کتنی بار اپنے آپ کو بتا چکا ہوں، کتنا کچھ سمجھا بُجھا چکا ہوں اور آج پھر بتائے دیتا ہوں کہ زندگی سوائے اِس کے کچھ نہیں کہ دل دلیر بن جائے اور رُوح زیادہ قوی، خواہ وہ دل مفلس ہو یا متموّل، خواہ وہ رُوح عالم ہو یا جاہل اور خواہ وہ دل اور رُوح مشہور و مقبول ہوں یا گمنام و مردود، زندگی اُن کے لئے یہی ہے کہ وہ مضبوط اور قوی اور دلیر اور حوصلہ مند بن جائیں؛ دھیمی ہواؤں اور تُند طُوفانوں کے اِس بحری سفر میں اُن کے آنسو موتی بن جائیں، اِس لئے نہیں کہ وہ اُنہیں اپنے گلے میں پہنے رہیں

بلکہ اس لئے کہ شاہدِ ازل کی مالا کی زینت اِک وہ بھی ہوں!

اپنی خواہشوں اور ارادوں کی بے ترتیب فوج کے لئے، اِس بکھری ہوئی سپاہ کے لئے میدانِ زندگی میں ایک سپہ سالار بن جاؤں! اِن بھٹکے ہوؤں کے لئے اِک ایسا رہنما ہو جاؤں جس کی سرکردگی میں یہ سیدھے منزلِ مقصود کی طرف چل نکلیں!

میری خودی میری اَنا کی رہبر ہو! میں اپنے جسم، اپنے نفس بلکہ اپنی رُوح سے بھی علیحدہ اور اِن سب سے بالا بالا پرواز کروں اور زندگی کی جنگ میں جدھر چاہوں اِن کے حملے کا رُخ موڑ دوں! یہ میرے تیغ و سناں ہوں اور میں اِن کا دست و بازو۔

اپنے آپ کو اپنے آپ سے وابستہ بھی رکھوں اور علیحدہ بھی۔ جب جسم تکلیف میں ہو تو مجھے تکلیف نہ ہو، جب نفس مغموم ہو تو میں بے تاب نہ ہوں، جب رُوح جدوجہد کرے تو میں مسکراتے ہوئے اُس کو شادباش کہہ سکوں!

ایسا بنوں میں اور ایسی ہو میری زندگی!

جو ہونا ہے ہو، جو کرنا ہو مجھے کروں! ہاں یہ نہ ہو کہ جی کو احساس سے خالی کر لوں، ہاں یہ نہ ہو کہ اپنے تلوّن سے واقعات کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جاؤں اور نہ

خدا جانے نہ انسان کہ میں کیا کر دینے والا ہوں۔
بے معنی بغاوت گناہ ہے میرے لئے!

باغی؟ کیا میں قدرت سے باغی ہوں؛ کیا میں فطرت کی حدوں کو توڑ دینا چاہتا ہوں؟
نہیں میرا انتقام اتنا آسان نہیں: میں باغی ہو جاؤں گا اپنے آپ سے: میں توڑ دوں گا اپنی بے تاب آرزوؤں کی زنجیر کو، میں ان تکتی ترستی تمناؤں کا بندہ نہ بنا رہوں گا!

ہر حال میں اپنے آپ کو اوروں سے بچا لیکن شکار ہونے دے اپنا!
غیروں کی دوستی قبول کر لیکن اپنی دشمنی ہی طلب کر، اپنی چشم پوشیوں کے دلفریب سائے میں بیٹھے رہنا نہ سیکھ لے!
زندگی دل کی آسانی ہے اور رُوح کی مُشکل!

کچھ کر سکوں تو کروں ـــــ بہت خوب!
نہ کر سکوں تو کچھ بھی نہ کروں ـــــ کیا حرج ہے؟

کر سکوں اور نہ کروں توحیف!

نہ کر سکوں اور کرنے کا دعوے کروں تو شرم!

آخر انسان ہوں۔ کِس لئے؟ دیکھے جاؤں جو آئے، کئے جاؤں جو ہو سکے، اور دیکھوں اُوروں کو اور اپنے آپ کو بھی اور اِتراؤں اپنے آپ پر کہ میں اُنہیں میں سے ہوں یعنی اِس طرح اپنا بنوں کہ محض اپنا نہ بنوں ——— ایسا ہوں میں، یوں بنوں میں، یہ کروں میں!

نہ کبھی مایوسی کے جہنم نہ کبھی تکبّر کے فردوس میں، نہ وہاں جا نہ یہاں! بلکہ صراط پہ چلے جا صراط پر کہ صراط ہی زندگی ہے، بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، زندگی یہ رستہ ہے اور انسان اِس کا رہ رَو!

گرنا پڑتا ہمیشہ، اور اطمینان محض کبھی کبھی، لیکن اِک سچے انسان کے لئے غایت درجہ دلکش و روح پرور سفر! سو اِس مُنہ زور گھوڑے کو بے دھڑک بھگائے جا اور پھر جہاں یہ تجھے لے جائے چلا چل!

اک عظیم الشان دنیا میں، ہیبت ناک پہاڑوں کی اُونچی اُونچی چوٹیوں کے

بیچوں بیچ سرسبز مگر خطرناک گھاٹیوں کے اندر، ایک چٹان سے دوسری چٹان پر بلے دھڑک
کودنے والا آبشار! ——— یہ ہو میری زندگی! اور وہاں قیامت کے شور و
غل کے اندر، بلندیوں سے پستی پر گر کر ریزہ ریزہ ہونے والے اور پھر بلندیوں کی طرف
پھوار بن کر اڑ چلنے والے قطرات! ——— یہ ہوں میری پست خواہشیں!

اب دیکھنا کیا بن جاؤں گا میں! میرے دل! اب دیکھنا!
یہ نہیں کہ میں وہ کام کر دوں گا جس سے میں ہر کہیں نامور ہو جاؤں گا؛ یہ
نہیں کہ میں مستقل طور پر قوی دل بن جاؤں گا؛ یہ نہیں کہ میں ٹھوکریں نہ کھاؤں گا اور
بڑھتا چلا جاؤں گا تیزی کے توسن پر سوار!

یہ نہیں!
لیکن اب دیکھنا اب، کہ کیا بن جاؤں گا میں!
یعنی زندگی ابھی میرے لئے ختم نہیں ہوئی!

تو نے سنا، ارادوں نے کیا کچھ کیا؟
تو نے دیکھا ہمتیں کہاں سے کہاں نکل گئیں؟

تُو سمجھا معجزے کیا تھے؛
پھر تُو بھی ارادہ نہ کرے گا کوئی؛
پھر تُو بھی ہمّت نہ دکھائے گا کبھی؛ ————
کہ تیری زندگی بھی معجزہ ہو جائے!

—·—·—·—·—·—

بدنما کو خوش نما، خوش نما کو دل آرا کس نے بنایا؛
نظر نے، احساس نے، وجدان نے!
ناممکن کو ممکن، ممکن کو یقینی کس نے بنایا؛
تخیّل نے، ارادے نے، ہمّت نے!
بے جان انسان کیسے بنا؛ انسان خدا کیونکر بنے گا؛
انسان بنا گفتگو سے، خدا بنے گا خاموشی سے!

—·—·—·—·—·—

اپنا دوست آپ بن پھر دوسرے بھی تیرے دوست ہیں؛ صرف دوسروں کی دوستی کا سہارا لے اور زندگی کی کشتی کو ڈگمگاتے اور ڈوبتے ہوئے دیکھ لے؛ جو

آپ اپنا نہیں کوئی دوسرا چاہے بھی تو کیونکر اُس کا بن سکے؛ جو آپ اپنا نہیں کوئی دوسرا کیا خدا بھی اُس کا نہیں۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ یہ دُنیا اور وہ دُنیا تجھ تک آئیں تو آپ اپنی ایک دُنیا بنا؛ تُو اپنا ہو تو سب تیرے ہی ہیں!

اپنی زندگی کی بنیاد صرف اپنے نفس و روح پر قائم کروں اور بس!
اِنحصار، استعانت، گذارش، یہ سب موت کی درخواستیں زندگی کے ہوتے ہوئے!
اپنا آپ، صرف اپنا آپ!
کوئی مدد کرے، کوئی مدد کر سکے، سب جھوٹ محض جھوٹ!
اپنا آپ، صرف اپنا آپ، اپنے اور پھر سب کے لئے ——— یہ ہو تو پھر یہ اور وہ اور سب میرے ہی لئے ہیں!
جیسے خدا ایک ہے ویسے ہی انسان بھی ایک ہے؛ تنہا، مضبوط، مجروح لیکن یکتا، مجتہد، متبسم!

نرے اکیلے یہ سفر طے نہیں ہوتا، زندگی کا یہ سفر! اس مرحلے میں بیسیوں کی، سینکڑوں کی اعانت درکار ہے! لیکن پھر بھی اِسے طے کرنا ہے اکیلے ہی اور جو اکیلا

اِسے طے کرتا ہے وہ کبھی اکیلا نہیں رہتا !

ہزاروں، لاکھوں اگر اُس کے ساتھ ہو ہو کر علیحدہ ہو جاتے ہیں تو وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں آندھیوں اور طوفانوں میں، آندھی اور طوفان کہ ہر ایک پر ٹوٹتے پڑتے ہیں اس باغ و بیابان میں !

لیکن اے اکیلے ! تو اکیلا کہاں ہے جب وہ بھی یوں ہی اکیلا ہے جو ہر ایک کے ساتھ ہے اِس سفر میں !

کسی سے ایسی دوستی نہ رکھ جس کی بنیاد تیری موجودہ جسم وجان کی کمزوری پر ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بے نوا کسی امیر کی محبّت کا خواہاں ہو، جیسے کوئی بھکارن کسی شہزادے کو چاہنے لگے! حیف ہے ایسی محبّت پر جس کی بنا اِس قسم کی مطلب پرستی ہو!

اپنی نقاہت میں دوسروں سے لمبے چوڑے وعدے نہ کر بلکہ خاموشی سے دوسروں کو ہمدردی اور محبّت کی دولت بن مانگے دے اور اِس طرح روز بروز زیادہ طاقتور اور زیادہ دولتمند ہوتا جا !

جو شخص تنہا زندگی بسر کرنے، تن تنہا اِس کارزار میں لڑنے اور لڑ مرنے کے

قابل نہیں وہ پھر اس قابل بھی نہیں کہ کوئی اَور دنیا کے سفر میں اُس کا شریک ہو!

اگر بڑے بڑے کام اَوروں سے ہونگے تو ہُوا کریں، تُو چھوٹے کام ہی کرا اگر تُو صرف انہیں کے قابل ہے!

کون کرے گا انہیں اگر تُو ہی نہ کرے گا؟ کون اے چھوٹے دماغ والے اے ننھی رُوح والے! کون؟

ہمالہ بڑا ہے اپنی رفعت میں، سمندر پھیلا پڑا ہے اپنی وُسعت میں، لیکن چڑیوں کا پھول بڑا نہیں مگر کتنا پیارا ہے اور گہرائیوں کا موتی، سب سے چھوٹا موتی، چھوٹا ہے مگر کس قدر دلکش ہے، کسی کے کان سے آویزاں نہیں لیکن کس قدر دِل آویز ہے کس قدر! —— پھر کیا میں موتی نہیں اپنے ہی دِل کا؟

بڑے سے بڑے کام دُنیا بھر کے کچھ اِتنے بڑے نہیں کہ تُو اے دِل! اپنے چھوٹے سے چھوٹے کاموں پر بھی شرمسار ہو اِک لمحے کے لئے!

شہرت بڑی شے ہے اور قابلیت اور صلاحیت اور ہمتیں اور جذبتیں، یہ

سب غُل مچادیں تو غُل مچے گا ضرور لیکن تیری ایک عمیق خاموشی کے سمندر میں یہ سب کچھ اس طرح ڈوب جائے گا جیسے بحرِ ذخار کی اتھاہ گہرائیوں میں مغرور غافل انسان کے ہزاروں جنگی جہاز!

صرف ایک ہی انتقام ہے جو میں لے سکتا ہوں اس دُنیا سے، اِس دُنیا کے رہنے والوں سے بلکہ کائنات بھر سے اور خود قدرت سے بھی اور وہ یہ کہ زندگی میں ہر لمحہ میں وہی کروں جو میں سمجھوں مجھے کرنا چاہئے کامرانی و ناکامی سے بے نیاز، کارکردگی میں منہمک، یہ ہے وہ انتقام جس کا انتقام پھر کوئی مجھ سے نہ لے سکے یعنی جو تکلیف کسی کو بھی مجھے دینی ہے اُس سے ہزار گُنا زیادہ "تکلیف" میں اپنے آپ کو خود پہلے دے دوں!

جب میں مایوس ہو جاتا ہوں، جب میں ڈرنے لگ جاتا ہوں، جب میں غم و غصہ سے بے تاب ہو جاتا ہوں تو اک یہ بات مجھے ہوش میں لے آتی ہے، مجھے ہزار غموں میں دفعتہً مسرور کر دیتی ہے کہ میں ہر گھڑی ہر بات میں بہترین زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں، کسی کی ستائش کے لئے نہیں، کسی صِلے کے لئے نہیں بلکہ محض اس لئے کہ نیکی آپ اپنی جزا ہے اور پختہ کاری ہی زندگی کی صحیح تسکین ہے!

جو جس بات کے قابل ہو اُسے حُسن و خوبی سے کرے —— یہ ہے زندوں کا کام اور یہی ہے اُن کا مقدور، اور اُن کا فرض بھی اور اُن کا حق بھی، اور اُن کی خوبصورتی اور عبودیت میں بھی اُن کی ربانیت!

پھول جو ہزاروں کوس دُنیا سے دُور، کسی لق و دق صحرا میں شگفتہ ہے اور جس کی خوشبُو پریشاں ہو کر ذرّوں اور کرنوں سے ہمکنار ہے صحراؤں اور سمندروں اور دُنیاؤں، اور جنّتوں کی لطیف فضا میں اُس کا بھی اُتنا ہی حِصّہ ہے جتنا پیرس کے ٹُولری باغ کا!

کِسی ایک کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کے لئے نیکی کا دامن نہ پکڑ بلکہ اپنے اور سب کے لئے کچھ کر سکنے اور اپنے خدا کو اپنا بنا لینے کے لئے وہ کر، ہر بات میں، ہر حال میں، وہ کام کر جو تجھے اور دُنیا کو ہمیشہ آگے کو بڑھائے جائے اور کم از کم پیچھے نہ گرا دے۔ اور اِس کے ساتھ ہی ساتھ کسی کو خوش بھی کر لے اور اپنے دل اور اپنی جان کو اِس بازی گاہ میں گاہے گاہے بے ضرر اور پاکیزہ کھیل بھی کھیل لینے دے کہ یہی زندگی ہے!

آج سے کچھ کام کروں گا! کوئی ذرا سا علمی ادبی کام، ہر روز، ذرا سا! کچھ علم پڑھوں گا، کچھ ادب سیکھوں گا ذرا سا ہر روز! اور رہوں سہوں گا ذرا سا بہتر! اور جسم کو صحت مند بناؤں گا اِک ذرا سا زیادہ! اور بھول جاؤں گا چیزوں کو آج سے اِک ذرا سا زیادہ! اور کاروبار کروں گا اِک ذرا سی زیادہ باقاعدگی سے! اور عزیزوں دوستوں سے ملوں جلوں گا ذرا زیادہ خندہ پیشانی سے! اور آرام لوں گا اور خیال کروں گا اور خیال نہ کروں گا پہلے سے ذرا زیادہ تسلّی اور تسکین کے ساتھ! بس اِک ذرا ذرا سا زیادہ، ہر روز صرف اِک ذرا سا ——— اور یہ بہت ہے میرے لئے اے میرے خدا!

زندگی میں پھر خوشی ہے اِس لئے کہ زندگی کا پھر کوئی مقصد ہے! زندگی پھر زندہ ہے اِس لئے کہ زندگی میں پھر اِک تحریک ہے۔ زندگی میں صرف زندگی نہیں، موت بھی شامل ہے، صرف تحریک نہیں تسکین بھی ہوتی ہے! لیکن جب تک تحریک ہو سکے تحریک کا وقت ہے اور جب نہ ہو سکے تو پھر اُسی تسکین کی گھڑی ہے، تسکین کی۔ تحریک کب ہو اور تسکین کیوں؟ یہ سب اُس پر چھوڑ دے جو لفظِ "کُن" کی پہلے حرکت ہے اور پھر سکون!

یہاں آتا ہوں میں اپنے ارادوں کو تازہ کرنے!

جنگل ہے پہاڑ پر، درخت اور جھاڑیاں ہیں جنگل میں! نیچے، سامنے کوسوں تک، میدان اور کھیتیاں پھیلی ہوئیں! یہاں بھی جون کی تیز دھوپ لیکن جنگلی درختوں کے سائے میں دھیمی دھیمی ہوا اور سوندھی سوندھی بُو! کبھی کبھی کسی مکھی کی بھنبھناہٹ، کبھی کبھی کسی پرندے کی چہک! سکون، آرام، اطمینان، دُنیا اپنے کاموں میں منہمک لیکن یہاں اپنے اندر بہت کچھ جذب کرنے والی فراغت، ایک لمبی، اچھی، میٹھی سی فرصت بس اور میں!

جب قناعت کی اتنی دولت میرے اردگرد بکھری پڑی ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں پھر ارادوں کی بے چینی اپنے دل میں پیدا کروں! محض اس لئے کہ زندگی کامل سکون نہیں بلکہ وہ تحریک سی ہے اور یہ تحریک ہے کچھ بے چینی اور یہ بے چینی ہے کچھ تشویش؟

لیکن میں یہاں آتا ہوں کہ فطرت سے جو بظاہر سکون ہے ذرا سا اطمینان حاصل کروں جو زندگی کے اضطراب کے ساتھ مل کر میرے لئے ایک ایسا خوش نما کھلونا تیار کرے جس سے اور جس کی دمبدم نئی صورتوں سے میں مدتوں کھیلتا رہوں!

(نسنٹ ہل۔ مسوری ۱۹۳۰ء)

سردیاں آ رہی ہیں اور پھر خون رگوں میں دوڑ رہا ہے! جی پھر چاہتا ہے کہ اُٹھوں، اُٹھ بیٹھوں اور کچھ کرنے لگ جاؤں اپنے لئے، دُنیا کے لئے، کسی کے

لئے بھی!

دِل کو جولانیاں کرنے دوں تخیّل کے میدان میں، اور رُوح کو اُبھرنے دوں، اُڑنے دُوں، فلک بوس ہو جانے دوں جس طرح بھی وہ چاہے اور چلنے دوں جس طرف بھی اُسے رستہ مِلے، جد و جہد کے پہاڑوں میں، آفرینش کی چوٹیوں کی سمت کہ کہ سردیاں آ رہی ہیں اور خون پھر رگوں میں دوڑ رہا ہے!

آج رات مجھ میں قوّت ہے پھر ا
میں اپنے ایک منتہائے کمال کو کھو چکا آج کے دن، لیکن آج رات مجھ میں پھر قوّت ہے اِک قوّت!
ہاں قوّت ہے مجھ میں، عظمت ہے مجھ میں، اِک مسرت کی لہر اُٹھ رہی ہے میری زندگی کے سمندر میں گو میری تمنّاؤں کی کشتی ڈوب چکی آج کے دن!
میرے اِس سمندر میں جو افق سے افق تک پھیلا پڑا ہے، اور اُس سے بھی پرے اور پرے سے بھی پرے، اُس میں جا بجا لہریں اُٹھ رہی ہیں، طوفان برپا ہو رہے ہیں، طوفان جو میری ڈوبی ہوئی کشتی کو بہ آوازِ بلند پکار رہے ہیں کہ وُہ تختے پتے پاش پاش ہو گئے تو بلا سے ہوں، تُو اُبھر کہ ہم تجھے نئے بازو دیں اور نئی طاقت اور اک نئی رفتار اور اِک نئے سے نیا منتہائے کمال، منتہا جس کا ابھی

نام نہیں، جو دُنیا جہان کے ناموں سے بے نیاز ہے اور محض اپنی قوت اور خدائے عزّوجل کی خوشنودی کے لئے ہمیشہ "لا انتہا" کی طرف ساعی ہے!

کس قدر دلچسپ ہو زندگی اگر ہر روز زندگی کو ایک نئی زندگی جان کر، اپنے ماضی کو بھول کر دُنیا سے اِس طرح دوچار ہوں جس طرح ایک بچہ پہلے پہل ہوا اور روشنی کو محسُوس کرے اور آنکھیں کھول کر دیکھے اور حیران بھی ہو اور خوش و خرّم بھی۔
کل رات کی کاوش کو آج کے دِن کی صبح نہ جانے نہ پہچانے؛ کل کی تاریک مایوسیوں کو آج کی اُمید اپنی سنہری کرنوں سے منوّر کر دے، کل کی گئی گزری ناکامیوں کو آج کے ظفر مند ارادے ملیامیٹ کر دیں ——— اور یوں زندگی پیہم رواں، ہر دم جواں رہے اور یہ ہو لاکھ کلفتوں کے درمیان اُس کی کامرانی و شادمانی!

اپنے جسم کا محض محافظ بنوں میں اور آرام کی طلب محض آرام کی خاطر چھوڑ دوں؛
اپنے پودوں سے، اپنے پھُولوں سے کھیلوں میں اور محض اُن کے سائے میں
بیٹھ رہنا چھوڑ دوں؛
اپنے تارے سے باتیں کروں میں، زندگی کی تاریکیوں میں، لیکن اُس کے لئے

آنسو بہانا چھوڑ دوں؛

اور شاخوں پر جو میرے آشیانے کے قریب ہوں یا اُس سے کچھ دُور ہمدردی اور اُلفت کے ڈورے ڈال لوں اور خوشی کا جھولا جھولا کروں؛

اور اُن کی راہ میں جو میری طرف آئیں، اپنی نگاہیں بکھیر دُوں چنبیلی کی پنکھڑیوں کی طرح کہ وہ میری زندگی کو پامال کر کے اُسے اور زیادہ حسین و پائدار بنا دیں؛

اور زندگی کے چکر میں ہزاروں رنگوں کی اُمنگیں لٹکائے ہوئے اُسے گھماؤں اِک شوخ بچے کی طرح اور لئے پھروں اُسے کہیں سے کہیں، میدانوں اور وادیوں میں، سمندروں اور پہاڑوں پر بلکہ دُور آسمانوں کی فضاؤں میں جہاں خوبیاں مجھ پر نثار اور عظمتیں مجھ پر قربان ہوں ——— ایسا بنوں میں اور ایسی ہو یہ ساری کائنات!

بچپن، نوجوانی، جوانی، اِن باغوں سے کونپلیں اور پتیاں اور کھِلتی ہوئی کلیاں، ننھی ننھی، پیاری پیاری، اُجلی اُجلی، توڑ لوں چُن لوں سمیٹ لوں اور اُن سے زندگی کے لئے ایک ایسا رنگ برنگ کا ہار پروؤں جس کا رشتہ میری مسکراہٹ ہو اور جس کے لئے میری رُوح فخر کے ساتھ اپنی گردن کو پیش کرے!

ثروت بن جاؤں میں ۔ اپنے بچپن کی تصویر بچپن ایسا نہیں جیسا کہ گزرا بلکہ ایسا جیسا کہ اِس مبری ننھی منھی کا ہے ہنستا، کھیلتا، شوخ، چُلبلا! زندگی ایک ایک نگاہ میں جلوہ ریز ہو، دیکھے اور دکھلائے، جئے اور جِلائے ——— ایسا بنوں میں فلسفہ کم زندگی زیادہ، ایک جیتی جاگتی ہستی!

کیا ہے کائنات؟ ——— یہ نہ پُوچھ، بس دیکھے جا!
کیا ہے دُنیا؟ ——— یہ نہ دیکھ، بس اِس کی سُنے جا!
کیا ہے زندگی؟ ——— اِس سے کیا غرض، صرف جیئے جا!
کیا ہے تُو؟ ——— قسمت کو، اَوروں کو، تجھ کو بھی اِس کا کچھ پتہ نہ چلے، یُوں ہر لحظہ اَور سے کچھ اَور ہوئے جا!

زندگی ایک مُعمّا ہے اور یہ دُنیا بھی اور وہ دُنیا بھی ——— یہ سب معمّے ہیں رُوح کے لئے جو خود اِک معمّا ہے ۔

یہ معمّے لاینحل ہیں اور اِن میں جو کسی دوسرے کا حل چاہتا ہے وہ اِس

کوشش میں خود حل ہو جاتا ہے!

کم از کم یہ بات یقینی ہے، کم از کم آج کل اور کم از کم میرے لئے یہ بات کہ میں ضرور ہوں اور میرے سوا کچھ اَور بھی ہے اور یہ ہوتا رہے گا جیسا کہ ہوتا رہا ہے، ہوتا رہے گا کچھ دیر، ہوتا رہا ہے کچھ دیر سے، جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ! —— اور میرے فہم سے بالاتر ہے اور بڑے فہیم لوگوں کے فہم سے بھی بالاتر ہے یہ، اور اِسے چلایا میں نے نہیں اور نہ اِنہوں نے بلکہ کسی اَور نے اور اگر کسی نے نہیں تو بھی یہ چل رہا ہے ضرور، اپنے آپ سہی لیکن بہت ہی اچھی طرح، بہترین طور پر نہ سہی لیکن جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں بہت ہی اچھی طرح یہ سب کچھ!

اِک الماری بن جاؤں، بہت سے خانوں والی، ایک سے ایک الگ مقفّل مضبوط اور سب کی چابیاں میرے پاس!

جب چاہوں، جسے چاہوں کھول لُوں، بند کر دُوں، نکالوں، رکھوں، اُلٹوں پلٹوں، صاف کروں، مرمّت کروں اور بغیر کسی کے دیکھے پھر رکھ دوں وہیں کا وہیں یا ایک کی جگہ دُوسرا، نہ کسی کو اِس کی خبر نہ پروا!

لیکن بُرا ہوا ان چابیوں کا کہ جو بھی بناتا ہوں اُس کی ہو بہو نقل کسی اُور کے پاس بھی ہے کبھی سے ——— وہ آسمان کا ہوشیار صنّاع!

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں کوئی منطق نہیں۔
عقل کو اس میں دخل ہوگا، ضرور، شاید ہر کہیں، لیکن ابھی ہے اور ابھی نہیں ہے اور اِسے کون سمجھے؛ جاہل؛ اُسے سمجھنے کی ضرورت نہیں؛ عالم؛ لیکن جو سمجھا کہ اُس نے سمجھ لیا وہ بہت کم سمجھا۔ انسان کو فطرت کسی طرح چین نہیں لینے دیتی؛ اگر وہ سمجھے کہ کام ہی زندگی کا مقصد ہے تو وہ اُس کے کام میں بیسیوں رخنے ڈال دیتی ہے اور اگر وہ سمجھے کہ آرام ہی میں زندگی کا لُطف ہے تو وہ آرام کو بھی اُس کے لئے ایک بوجھ بنا دیتی ہے۔ زندگی کا شاید کوئی فلسفہ ہو لیکن منطق کو وہاں زیادہ دخل نہیں!

ایک لفظ ہے لُغت میں، دُنیا کے دماغ میں، تیرے دل میں، محض غلط، کیا؟
——— "ہمیشہ"!
نہ کچھ ہوا، نہ کچھ ہے، نہ ہوگا، یہ "ہمیشہ"! جو کچھ ہوتا رہے کل سے آج اور آج سے کل، صبح سے شام تک، اُسے محض دیکھتا جا! اور کبھی دیکھ بھی مت، سوچ بھی مت،

بلکہ کھڑا رہ یونہی، پڑا رہ یونہی ـــــ اے تیراک! کبھی کبھی یہ تیرنا بھی چھوڑ دے کہ تُو بہے جائے آپ سے آپ!

ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ

روشنی اور ہوا پھُول پتّوں کے لئے ہیں، کھیلنا کودنا چڑیوں کے لئے اور کھانا پینا حیوانوں کے لئے! لیکن کیا انسان بھی اسی لئے تھا؟ پتوں اور چڑیوں اور حیوانوں کا بادشاہ! ــــ اے اِنسان تُو کیوں بنا؟

ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ

بات بات کے ہزاروں پہلو ہیں، کوئی اچھا کوئی بُرا کوئی بھلا کوئی بھونڈا!
ہر اصول میں بے اصولیاں ہیں اور ہر نیکی میں برائیاں!
ہر بات میں ہر شخص کی ایک غرض ہے اور غرض میں قسمت کو اِک بے غرضی!
انسان جو کرتا ہے کسی مطلب کے لئے کرتا ہے لیکن اُس کے کئے سے جو کچھ ہو جاتا ہے وہ بے مُدّعا ہے جس کا مُدّعا صرف قدرت کو معلوم ہے!

ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ ۔ ــــ

یہ نہیں کہ محض عمل ہی زندگی کا پھل ہے لیکن نہ محض تخیّل ہی زندگی کا پھُول ہے، اور نہ محض توکّل ہی زندگی کا عصا ہے! بلکہ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمل بھی، تخیّل

بھی، توکّل بھی یہ تینوں ایک ہی دل میں ہیں اور دل وہی ہے جو ان تینوں میں ہو!

عاقل، مفکّر، متوکّل سب اپنے اپنے زعم میں بڑے آدمی ہیں لیکن بہترین انسان فی الحقیقت وہی ہے جو کام بھی کرے اور سوچے بھی اور پھر بھول بھی جائے۔

انسان اُس وحدت کا نامکمل ظہور ہے جس کا مکمل ظہور صرف کثرت میں ہوتا ہے!

دن، رات، صبح، شام ——— یہ ہے دُنیا!

خوشی، غم، چین، بے چینی ——— یہ ہے زندگی!

آج، اب، یہاں، یہیں ——— یہ ہے تُو!

کبھی سراپا قوت، کبھی سرتاسر نقاہت ——— یہ ہے تیرا جسم!

لیکن زمانے کے بہاؤ میں کبھی بہنے اور اکثر تیرنے والی ——— یہ ہو تیری رُوح!

اِس سب کچھ میں، جو کچھ بھی یہ ہے میں بھی ہوں! ہم جا رہے ہیں کہیں یا وہیں ہیں جہاں ہیں مگر خوب ہیں ہم سب اکٹھے جو بھی ہیں! میری بے چینیاں، میری بے کلیاں ہیں تو ہوں، رہیں گی تو رہیں کہ اِن کے ساتھ ہی ہیں میری اُمنگیں اور میری خوشیاں بھی اور اِن سب میں جو کچھ بھی یہ ہیں میں بھی ہوں! میں دُکھی ہو جاؤں، غمگین ہو جاؤں، تباہ و برباد ہو جاؤں، مر مِٹ جاؤں مگر پھر بھی یہ سب کچھ یُونہی رہے گا اور میں بھی اِس کے اندر کہیں نہ کہیں، پھر کیا ڈر ہے کہ میں موجود ہوں یا معدوم، یہاں ہوں یا وہاں؟ ——— فاصلے کا فیصلہ کر دوں اور زمانے کا قلع قمع!
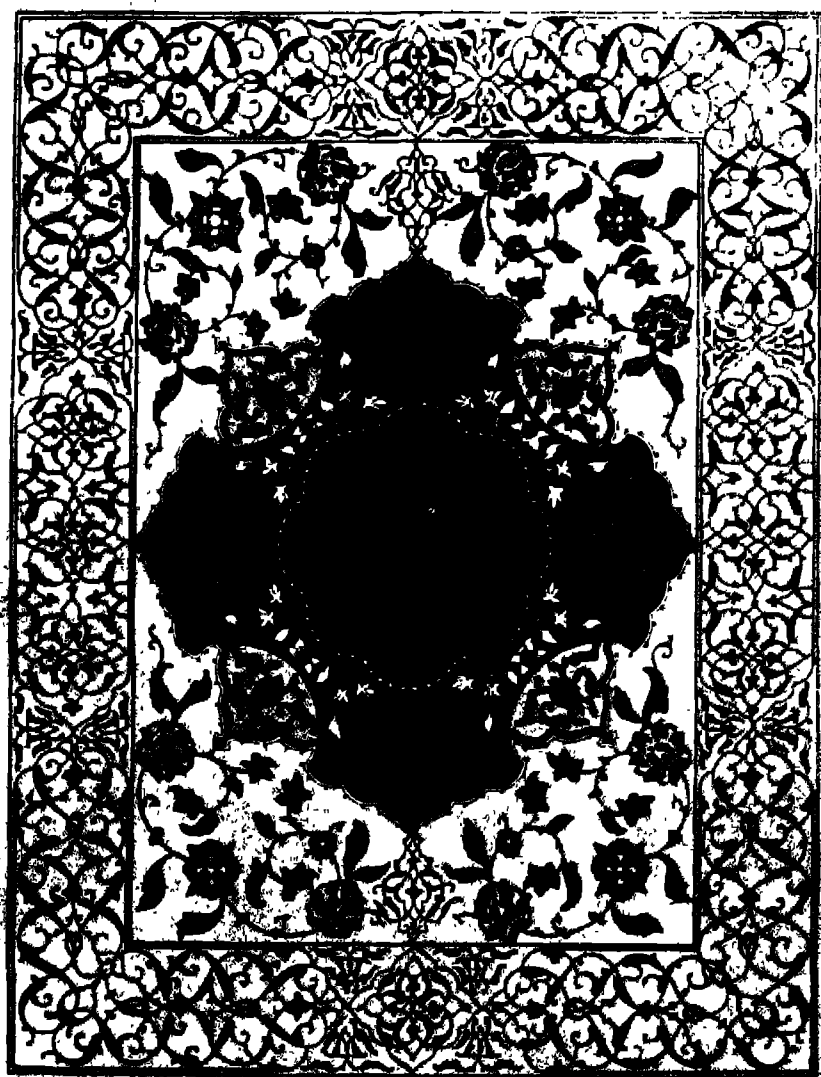
معمولی باتیں

کس قدر معمولی باتوں میں ہماری زندگی گزرتی ہے کیسی معمولی باتوں کو ہم غیر معمولی سمجھتے ہیں۔ لباس، مکان، سواری، گفتگو، چال یہ تمدن ہے، اوروں کی کہی ہوئی باتیں دُہرانا، دُور دراز کے واقعات سُننا سُنانا، ورق گردانی کرنا، ورق سیاہ کرنا یہ تعلیم ہے اور ان پر ہمیں ناز ہے، غرور ہے، تکبّر ہے۔ کوئی شخص ڈھیلا پاجامہ پہنے آرہا ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ اِس کی رُوح ناقص ہے؛ کسی کے مکان کی طرزِ تعمیر سیدھی سادی ہو تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حُسنِ تناسب سے آگاہ نہیں؛ کسی کا گھوڑا چست و تیز رفتار نہ ہو تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی سُست و نابکار ہے؛ کوئی جا و بے جا "تھینک یُو" نہ کہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ کسی خاتون سے ملنے کے قابل نہیں؛ کوئی اکڑ کر نہ چلے تو ہم کہتے ہیں کہ اِس میں خود داری کا مادّہ نہیں۔ پھر کوئی فر فر انگریزی نہ بولے، روزانہ خبروں کی لغات نہ بن چکا ہو، ہر فن میں تھوڑی سی دستگاہ نہ رکھتا ہو تو خواہ اُس کی ذہانت و دور اندیشی کیسی ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو وہ ہمارے نزدیک جاہلِ مطلق نہ سہی پُرانے زمانے کا ایک بوسیدہ آدمی قرار پا جاتا ہے۔ موجودہ تہذیب صرف اپنی مخصوص مصنوعات کی قدر دان ہے اور اگر یہ وجہ ہے کہ آج کل ترقی بہت ترقی کر رہی ہے تو تُف ہے ایسی بے چین، متحرک، تیز رفتار ترقی کی ترقیوں پر۔ یہ بے تابیاں

کچھ ترقی کا نشان نہیں بلکہ تنزل کی علامات ہیں جب ترقی کا خیال زیادہ پیدا ہو جائے اور اپنے نقائص کے خیال پر بھی ناک بھوں چڑھائی جائے تو انسان کے دماغ کا کوئی نہ کوئی پرزہ ضرور زنگ آلود ہو چکا ہوتا ہے، غالباً گم ہو گیا ہوتا ہے۔

ادھر ہماری زندگی میں اب وہ باتیں غیر معمولی ہو چکی ہیں جو اِک معمولی سی زندگی میں عام ہونی چاہئیں۔ اِک بہار کی صبح سے یا ایک پھیلے ہوئے میدان کے نظارے سے ہمیں تسلی نہیں ہوتی، چڑیا کی چہک یا چنبیلی کی مہک ہمیں اپنی طرف متوجہ نہیں کرتی، کوئی غریب اپنے گھر میں فاقہ مست ہو تو ہمیں فرصت نہیں کہ اُس کا حال معلوم کرنا تو کجا اس بات کا خیال بھی دل میں لائیں؛ ہماری مشغولیت اِک بھکاری کو شاہ راہ سے ہٹا دینا اُس کا خود بخود وہاں سے غائب ہو جانا شہریت کا حق سمجھتی ہے؛ ماں کی محبت، بچوں کی ہنسی، بہنوں کی ہمدردی، یہ ہماری باندیاں ہیں اور ہم اُن کے خودسر آقا؛ ہم خود صرف اس قابل ہیں کہ بناوٹی ہنسی ہنس سکیں رسمی ہمدردی کر سکیں محبت کو غلط کار جوانی کا اک معما سمجھ کر سُن سکیں۔ قدرت کی اِن بخششوں کو ہم حقارت سے دیکھتے ہیں؛ ہمیں اُن کے استعمال کی فرصت نہیں، ملاحظہ و تجربہ کی ضرورت نہیں، ہمیں تو صرف ٹھنڈی سڑک پر ٹہلنے کا اور موٹر پر گھومنے کا شوق ہے، سیاسی لیکچر سننے کا ذوق ہے، متحرک تصویر دیکھنے کی آرزو ہے، کسی نئے وضعدار سے ملنے کی کاوش ہے اپنے ہمعصر ول کو یہ جتانے کی تمنا ہے کہ ہمارا دِل دُنیا کی تازہ ترین حالت کا آئینہ ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ انگلستان کے موجودہ وزیرِ اعظم کی دادی کون تھی، وہ ابھی مری نہیں، کونسے کھیل

کھیلتی ہے، لیکن اِس کا پتہ نہیں کہ ہماری اپنی پھوپھی کو دو وقت کا کھانا بھی میسّر ہے کہ نہیں۔ ہم انسان بننے اور انسان بنے رہنے کو عار جانتے ہیں۔ پھر ہم کیا ہونا اور کیا بننا چاہتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمیں خدا کی ہستی کا یقین ہوتا جو نہیں ہے تو اپنی موجودہ روش کے ساتھ شاید ہم اُس کے ہم پلّہ ہونے کا دعوےٰ کرتے؛ فی الحال ہم کو اِس پر غصّہ آتا ہے کہ اگر کسی کا خدا ہے تو وہ ہماری طرح شاہ راہِ ترقی پر کیوں گامزن نہیں ہوتا؟

اپریل ۲۶ء
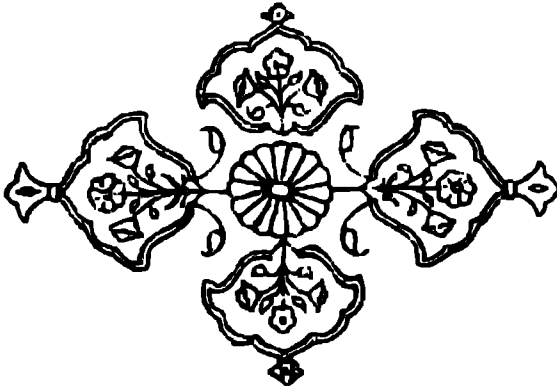
رشتے دار

ہر شخص اپنے رشتے داروں سے بیزار ہے اور دوسرے کے رشتہ داروں سے مانوس یعنی رشتہ داروں سے انسان کو ہمیشہ محبت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے رشتے دار نہ ہوں!

سچ یہ ہے کہ اپنے رشتے داروں سے اچھا برتاؤ کرنا حد درجہ دشوار ہے اور اُن سے اچھے سلوک کی تمنا رکھنا تو قطعاً جہالت ہے۔ شکایت کرنے والے کہتے ہیں کہ ایک عزیز کو دوسرے عزیز کی خوبیاں دکھائی نہیں دیتیں، اصل یہ ہے کہ پردے آنکھوں پر سے اُٹھ جاتے ہیں اور اصلیت عیاں ہو جاتی ہے، ہر شخص کی نیت کا بھید اُسی کو معلوم ہے جس کے سامنے بھید چھپائے نہیں چھپتا، گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے اور جو اِس لنکا کو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ لنکا ڈھانے ہی کے قابل ہے۔

ہم دوست کو دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں، ہمارا عزیز جانتا ہے کہ ہماری مسکراہٹ کتنی اصلی ہے کتنی نقلی۔ ہم دوست کے ساتھ وہ روزمرّہ کی باتیں کرتے ہیں جو بغیر ہمارے کہے ہمارے عزیز کے دل میں ہیں۔ ہمارا دوست چند دن کا وقفہ ڈال کر آتا ہے تو ہمارا چہرہ دیکھ کر ہی بلاوجہ بشاش ہو جاتا ہے، عزیز جس دروازے سے نکلتا ہے اُسے عین سامنے ہمارا ہی منحوس جلوہ نظر آتا ہے ہماری صحت کی خرابیاں، ہماری

ہمت کی پستیاں، ہماری نیت کی خرابیاں، سب ہمارے عزیزوں پر عیاں ہیں اور اکثر ہمارے دوستوں سے نہاں۔ دوست تو یہ سُن کر کہ ہمارے سر میں کل درد تھا چند رسمی لفظوں میں اُس کی دوا تجویز کر دیتا ہے لیکن ہمارے عزیزوں سے پوچھئے جنہوں نے باری باری سر پر صندل لگایا، تلوے سہلائے، سونف کھلائی، سوڈا پلایا۔

دوست کو مزا ہے کہ گاہے گاہے آکر سلام آداب کہہ دیتا ہے بیچارے عزیزوں کا اللہ ہی والی ہے جنہیں کبھی خدا حافظ کہنے کا موقع نہیں ملتا۔ دوست تو آ کر ہمیں سجا سجایا دیکھ لیتا ہے لیکن عزیز تو ہر روز مُنہ دھونے سے پہلے ہمارا مُنہ دیکھتے ہیں! پھر اُنہیں کس طرح ہمارا حسُن نظر آئے۔ گویا ہم دوستوں کے لئے اِک خوش لباس، خوش وضع، خوش گفتار مغربی بیوی ہیں اور عزیزوں کے لئے اِک تُرش رُو متکبر بیزار مشرقی خاوند — خدا کرے کوئی کسی کا عزیز نہ ہو اور سبھی ایک دوسرے کے دوست ہوں!
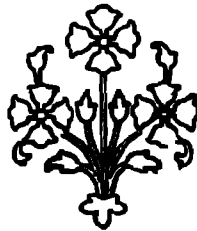
دوست

"دوست" کا لفظ اِس قدر رذیل ہو گیا ہے کہ اِس سے دشمن کا ایک ایک حرف زیادہ
خود دار ہے۔ جو کوئی ہمیں کسی جلسے یا دعوت میں مِل جائے وہ ہمارا "دوست" ہے! آئندہ
کم ازکم اُس کا ہمیں سلام کرنا اور ہمارا اُسے آداب کہنا ضروریاتِ زندگی میں شمار ہونے
لگتا ہے۔ کبھی کبھی ہم آنکھ بچا کر اُس کے پاس سے گزر جائیں تو خیر لیکن عموماً اِس
قسم کی مسرت ہماری قسمت میں نہیں ہوتی۔ اُدھر اُس کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہوتی ہے؛
وہ اکثر پیچ و تاب کھاتا ہے کہ میں اِس رستے سے کیوں آیا! دُور ہی سے دیکھ کر بعض دفعہ
مُڑ جانا چاہتا ہے لیکن اِک ملزم کی طرح اُس کے دل میں کھٹک جاتا ہے کہ ضرور
ہم اُسے دیکھ چکے ہیں۔ مجبوراً ہمارے پاس سے ہو کر گزرتا ہے اور اِک کچی کچی مسکراہٹ
ہماری نذر کرتا ہے۔ کبھی کوئی شخص سفر میں ہمارا ساتھی ہوتا ہے تو وہ اِتنی سی بات
سے ہمارا "دوست" بن جاتا ہے؛ وہی باتیں جو سَو بار ہم دُہرا چکے ہیں وہی باتیں جو
اِتنی ہی بار وہ سُنا چکا ہے دُنیا سنتی ہے اور چُپ رہتی ہے لیکن ہم ہیں کہ ذرا شرمندہ
نہیں ہوتے اور اِسی طرح یہ مُلاقاتیں ہمارے دل و دماغ کو پائمال کیے جاتی ہیں۔
کبھی کسی انسان کا ہماری طرح کا لباس پہنے ہونا ہی کافی ہوتا ہے کہ ہم اُس سے

دوستی پیدا کرنا چاہیں؛ وہ حیران ہوتا ہے کہ کیا معاملہ ہے پھر سمجھتا ہے کہ ضرور مجھ میں کوئی خوبی ہوگی جس نے اِس شریف آدمی پر اتنا اثر کر دیا۔ اور مرد عورت کا امتیاز تو بجائے خود خواہشِ ملاقات کا فطری پروانہ ہے۔ پھر جہاں ذرا سا مطلب بھی ہو وہاں ماشاء اللہ دوستی دِلوں میں فوراً گھر کر لیتی ہے۔

کیا آج کل ہی دوستی کی یہ دُرگت بن رہی ہے یا کیا نوعِ انسان ہمیشہ سے ہی سچی دوستی کی دشمن رہی ہے؟
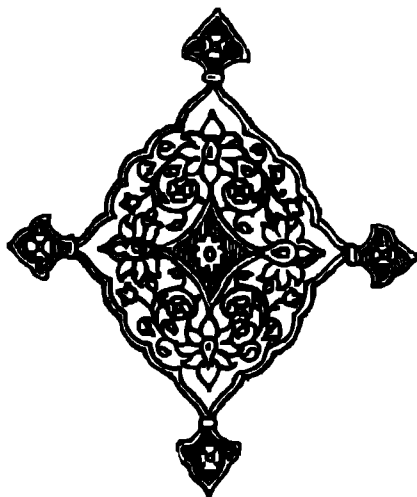
بڑے آدمی

بڑے آدمیوں کی صحبت بُرے آدمیوں کی صحبت سے تو شاید اچھی ہے لیکن بہت کم موقع ایسے ہوتے ہیں جب ہم کسی بڑے آدمی کی صحبت سے مطمئن ہو کر اٹھیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بڑا آدمی مشغول ہوتا ہے، وہ بیچارا ہم سے چند رسمی باتیں کر کے آدابِ مجلس کا خراج ادا کرتا ہے، اُس کی انسانیت انگڑائیوں میں اور ہمارا خلوص کشش و پنج میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی وہ اپنا کوئی کارنامہ بیان کرتا ہے تو باوجود انتہائی انکسار کے وہ بمشکل کامیاب ہوتا ہے کہ ہماری نظروں سے نہ گر جائے۔ کبھی وہ عام آدمیوں کی سی باتیں کرتا ہے تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ کیا اُس کی بڑائی کا ظاہر نہ ہونا ہماری حماقت ہے یا فی الحقیقت بڑائی ہی ایک معمولی وصف ہے۔ کبھی وہ عمداً خاموش رہتا ہے اور ہمیں اِس زبردستی کی خاموشی میں کچھ نہیں سُوجھتا کہ کیا کریں۔ غرض بڑے آدمی کی صحبت اِک ناقابلِ برداشت آفت ہے۔

امارت کا تحفہ

جب میں ایسے لوگوں کے درمیان ہوتا ہوں جو میرے ملازم یا ماتحت ہیں یا جنہیں مجھ سے مادی فوائد پہنچتے ہیں یا جن کی آسائشوں کا انحصار در اصل یا بظاہر مجھی پر ہے تو بعض اوقات اپنے طرزِ عمل کو ملاحظہ کر کے میں شرمسار ہو جاتا ہوں۔ وہ پاس سے گزرتے ہیں تو مجھ میں اور اُن میں اک غیر معمولی تبدیلی جو ہمارے تعلقات کا معمول بن گئی ہے واقع ہوتی ہے؛ سلام آداب کی مُصیبت تو خیر ہر بار سہنی پڑتی ہے! اُن کی مصنوعی مُسکراہٹ اور میری فطرتی متانت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے؛ اگر کبھی میں اکیلے دُکیلے مُسکراتا ہوں اور وہ اِتفاقاً اِدھر آ نکلتے ہیں تو اُنہیں دیکھتے ہی اپنے تبسّم کو سمیٹ لیتا ہُوں۔ وہ نوعِ انسان میں سے نہ ہوتے، میں نے جانوروں کی طرح اُنہیں اپنے خداداد حق سے تسخیر کیا ہوتا تو اَور بات بھی لیکن دِقّت یہ ہے کہ وہ بھی انسان ہیں بھی، کالے گورے کا اِمتیاز بھی تو نہیں (بجز بیچارے خاکروب کے جو گویا ہر شریف و رذیل کا ازلی نوکر ہے) ہاں اِک زر خرید تعلیم کا فرق ضرور ہے اور شاید اِسی پر اُن میں سے بعض کی خاموش قسمت زیادہ دانت پیستی ہے۔

میرا اُن کا یکجا ہونا طرفین کے لئے تکلیف کا باعث ہے! پھر میں نہیں سمجھتا یہ

کیسی بے معنی حکومت اور برخود غلط فوقیت ہے جو تسکین نہیں پا سکتی اپنے آپ کو تسلی نہیں دے سکتی۔ کبھی اُن کے بچّے باہم مِل کر کھیل رہے ہوتے ہیں کہ میں جا نکلتا ہوں صرف پاس سے ہو کر گزرنے کو ہوتا ہوں کہ جناب حضور کہہ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں؛ میں تیور بدل کر تیز چلنے لگتا ہوں، غریب جھجک کر گردن جُھکا لیتے ہیں۔

میرا گزر، میری آمد اُن کے لئے زندگی کا ایک واقعہ ہوتا ہے؛ میں بھی سانس لینے والا دہی ہوں؛ میری بھی دو ٹانگیں اور تمام وہی اعضا جو اُن کے ہیں؛ میں بھی بیمار ہو جاتا ہوں لیکن یہاں کچھ فرق ہے میں اُن سے زیادہ دوائیں کھاتا ہوں اور اُن کے ہاں ڈاکٹر مفقود ہیں میرے ہاں ہر وقت موجود، میں علیل ہو جاؤں تو صرف یہی نہیں کہ اِن لوگوں کا مغموم ہونا ضروری سمجھا جائے؛ اِن کا میرے حق میں دُعا کرنا بھی ضروری ہے بلکہ کبھی کبھی وہ دِل سے دُعا کرنے پر بھی مجبور ہوتے ہیں کیونکہ اُن کی روزی ایک حد تک میری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے؛ قِصّہ کوتاہ میری شکل نہ دیکھ کر وہ جانداروں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن مجھے دیکھ کر خوف سے کھانستے بھی کم ہیں۔

کہیئے ایسے لوگوں میں مَیں کیونکر خوش رہوں حالانکہ وہ میری خوشیوں کا خود ساختہ سامان ہیں؛ اگر میری قربت میں اُن کی زندگی نیم غلامی ہے تو اُن میں رہ کر مجھے بھی آزادی حاصل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سزا امارت کے لئے کافی نہیں؛ اس لئے ہزاروں سزائیں اُور بھی ہیں!

آہیں

آہیں آہیں بھرنے والوں کی طرح قسم قسم کی ہوتی ہیں لیکن یہاں صرف چند عام فہم آہوں کا ذکر مقصود ہے۔

مذہبی آہیں عموماً عادتاً بھری جاتی ہیں لیکن بعض اوقات وہ خدا پر اُس کے بندوں کے ذریعے سے اثر ڈالنے کے لئے بزورِ عمل میں لائی جاتی ہیں۔

وضعداروں کی آہیں اُن کی وضعداری کا اِک لازم جز ہیں یعنی وہ بجائے غم یا کمزوری کے اکثر اُن کی خوشی یا بے پروائی کا اظہار کرتی ہیں۔

عشّاق کی آہیں مشکل یا فراغت کا وقت کاٹنے کا اِک عمدہ طریقہ ہیں ایوں درست ہے کہ وہ دُھواں ہیں اُس آگ کا جو اِن بیچاروں کے دل میں لگی ہوتی ہے۔

حسینوں کی آہیں حُسن پرور ہیں اور صحت آور۔ بعض نازک مزاج لڑکیاں علاماتِ وقت کا کام چھوٹی چھوٹی آہوں سے لیتی ہیں۔

آہوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اُس سے پھیپھڑے اچھی طرح پھیلتے ہیں اور اگر دل پر بُرا اثر پڑے بھی تو جسم نشوونما پاتا ہے اِسی لئے سوائے سرور کے ہمارے باقی شعرا کو اِن سے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ میں اِک سمجھدار شخص کو جانتا ہوں کہ جب اُسے کوئی کام نہ ہو تو باغ کی تازہ ہوا میں جا کر علی الصباح لمبی لمبی آہیں بھرتا ہے۔

بچپن

مُور کی "خیالی دُنیا" افلاطون کی "جمہوریہ" کا علم تو مجھے اب ہُوا لیکن ان پر کچھ کچھ عمل میں اُس زمانے میں کر چکا ہُوں جب میں دُنیا والوں میں شاید شمار نہ ہوتا تھا۔
ہر شخص کے لئے وہ امیر ہو یا غریب بچپن دُنیا کی جنّت ہے؛ امیروں غریبوں کے بچے مِل کر نہ بھی کھیلیں تو عموماً نہ اُن کو اس پر "علمی" فخر نہ اِن کو اس پر عملی ذِلت کا احساس ہوتا ہے؛ دونوں کو اِک دوسرے کی پروا نہیں ہوتی، ایک کو دوسرے پر رشک نہیں آتا یہ بھی نہ سہی لیکن کم از کم کوئی اپنی قسمت کا شاکی یا دوسرے کی شوکت پر زندگی سے بیزار نہیں ہو جاتا۔ جس وقت سے میں نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ میرے ہمجولی میرے موروثی مرتبے کے مطابق میری عزت نہیں کرتے اُس وقت سے گویا میرا بچپن ختم ہو چکا۔ اِس سے قبل کبھی ایسے خیالوں نے میری رُوح پر جابرانہ حکومت نہیں کی؛ کبھی رشک یا غرور یا نفرت نے دیر تک مجھے دبائے نہیں رکھا۔ میں آزاد تھا؛ بار ہا میں نے ڈپٹی کمشنر یا تحصیلدار کو سلام نہیں کیا بلکہ اُن کو آتے دیکھا تو یہ سُن کر کہ سلام کرنا ضروری ہے میں وہاں سے بھاگ نکلا اِس لئے نہیں کہ خوف نے مجھ پر قابُو پا لیا یا کسی کی عزت کرنا میری شان کے خلاف تھا یا میری خودداری کے منافی۔ صرف اِس لئے کہ یہ چیزیں میرے بچپن کی مختصر دُنیا کا

جز و نہ تھیں اور میں اجنبیت کے باعث ان سے گھبراتا تھا۔

کچھ میرا اخلاقی معیار زیادہ بلند نہ تھا نہ اس کا دعوے تھا؛ جس کو جو کرتے دیکھا اگر وہ کام تکلیف دِہ نہیں تو خود بھی کرنے لگ گیا؛ وجہ؟ صرف مصروفیت کا ملکہ اور کچھ نہیں۔ میری چیزیں کھلی الماری میں رہتی تھیں اور دوسروں کی بند صندوقچیاں ہمیشہ مجھے چند لحوں کے لئے کاوش میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ کمزوروں سے چیز چھین لینے کی عادت بھی تھی لیکن نیت بالکل کھری تھی؛ اُس چیز کو "بلا شرکتِ غیرے" ہمیشہ کے لئے اپنی بنا لینے پر عملاً اصرار نہ تھا بلکہ صرف تھوڑے عرصے کے لئے۔

گزرے ہوئے یا آنے والے زمانے کا خیال نہ تھا سمجھانے بجھانے سے بھی نہ آتا تھا؛ حال کا حاکم اپنی دُنیا میں صرف مَیں تھا اور بھی حاکم تھے لیکن مجھ پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ ہم سب آزاد تھے، حکمران تھے، غاصب تھے نیک نیت، نقّال تھے بے تصنع۔ موسم کی تبدیلیاں، خوراک کی کمی بیشی، مقابلے کی دُھن، مباحثے کا فن کبھی بہت دیر تک ہم اِن کے باعث چین بجبیں نہ رہتے تھے۔ کھلی ہواؤں میں، بند کمروں میں، باغ میں، میدان میں، ہر جگہ ہم اپنوں کی موجودگی اور دوسروں سے علیحدگی چاہتے تھے۔ ماں باپ کا روپیہ صرف کرنا ہمارا پیدائشی حق تھا، دوستوں کی خوشیوں میں شریک ہونا ہمارا خوشگوار فرض۔ باغوں میں یہ خوبی تھی کہ وہاں پھل لگتے تھے، بازاروں میں یہ لُطف تھا کہ وہاں مٹھائی بکتی تھی؛ یہ چیزیں تو دلکش تھیں باقی تمام قطعاً ناقابلِ التفات۔

یہ آزادیاں کیونکر چھن گئیں؟ تعلیم و تہذیب نے کیسے ہماری گت بنائی؟ بڑوں کا

باقاعدہ طور پر ادب کرنا، کتابیں رٹنا، کپڑوں کو بے داغ رکھنا، یہ ظلم کس طرح ہوئے؟ اِن کا ذِکر نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ جی یہی چاہتا ہے کہ بچپن کی باتیں کر کے بچپن کی دُنیا میں چند لمحے گزار لُوں؛ سو آج کھیلوں گا، کھاؤں گا، اُچھلوں گا، کُودوں گا، بے تحاشا، بلا تامّل کھلکھلا کر ہنس پڑوں گا اور خوب شور مچاؤں گا! کہاں، کس جگہ؛ کن لوگوں کے درمیان؛ ——— اِس صفحے کے سوا کوئی جگہ نظر نہیں آتی اور اپنے دل کے سوا کوئی رفیق نہیں مل سکتا؛ شاید یہی غنیمت ہے!
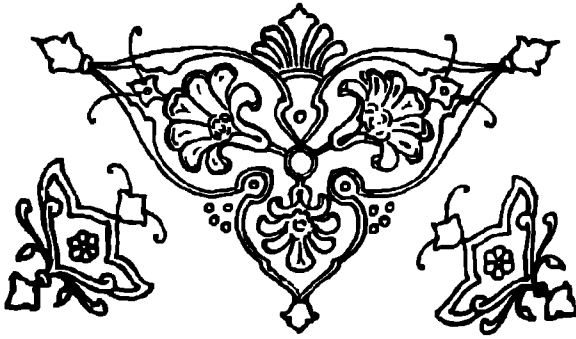
آزادیاں

کبھی جوش میں آ کر میں کہتا ہوں کہ دُنیا کے موجودہ طریقے، معاشرت کی یہ روش بالکل لغو ہے، اِن کو تبدیل کر دیا جائے۔ اِمارت موقوف نہ کی جائے لیکن کوئی شخص زیادہ مفلس نہ ہو۔ شادیاں ہُوا کریں لیکن مرد عورت کے دوستانہ تعلقات کو گناہ نہ سمجھا جائے، گناہوں کو جڑ سے اُکھیڑ کر الگ کر دیا جائے۔ روپیہ اچھی طرح اور کھُلی طرح صرف کیا جائے، ہاں بے سود ضائع نہ کیا جائے، ایک کوڑی بھی نامناسب طور پر صرف نہ ہو۔ چوری یک قلم بند کر دی جائے، سلطنت کے خزانے میں سے ہر ایک کو قوتِ لایموت لینے کا حق حاصل ہو۔ ادب آداب بھی ضروری نہ ہوں، بُری بات نہ کہی جائے لیکن اچھی بات کا کہنا بھی لازم نہ ہو۔ وقت ضائع نہ کیا جائے لیکن تقسیم اوقات کا قاعدہ چھوڑ دیا جائے۔ جب بُری باتیں کرنے کی رغبت جاتی رہے تو پھر بندشوں کے کیا معنی؟ ہر شخص آزاد ہو، خود بخود کام کرے، جہاں چاہے جائے، جو چاہے کرے، قواعد قیود قوانین سب موقوف کر دیئے جائیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں نہیں کر دیا جاتا ایسا کیوں خود بخود نہیں ہو جاتا بلکہ ایسا ہمیشہ ہی سے کیوں نہ ہُوا؟

اگر خدا نہیں لیکن خیر ہم فرض کئے لیتے ہیں کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا

ہے! جب خدا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دُنیا کو اپنی طرح آزاد نہ کر دے! کیا وہ خود آزاد ہے! ضرور ہے اور اگر نہیں تو اُس کا آزاد ہو جانا یقینی ہے! جب یہ یقینی ہے تو دُنیا بھی یقیناً جلد آزاد ہو جائے گی۔
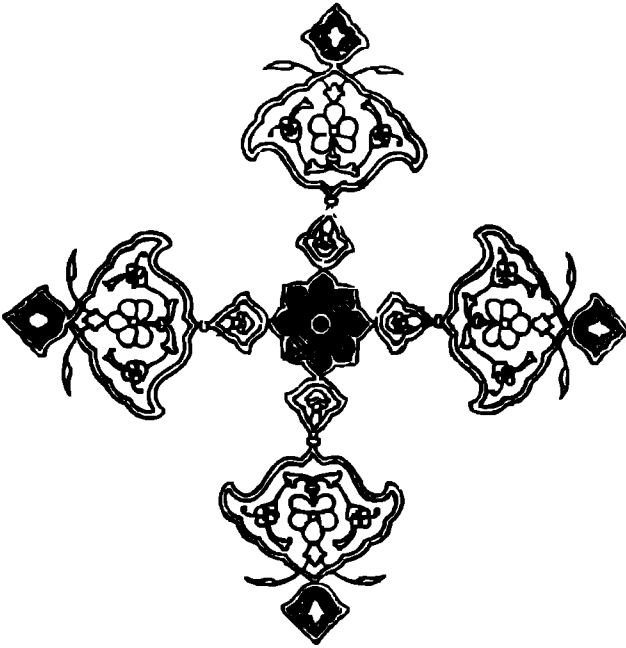
باہمّت وکم ہمّت

دنیا باہمت شخص کو سراہتی ہے اور کم ہمت کو ملامت کرتی ہے؛ کیوں؛ کہا جاتا ہے کہ وہ حوصلہ مند ہے، مصیبت کے وقت گھبراتا نہیں، تکلیف کو چپکے چپکے سہتا ہے؛ یہ بُزدل ہے صعوبت برداشت نہیں کرتا اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی دُکھ دیتا ہے۔

بھلا اپنا بُرا کون چاہتا ہے؛ بُرا شخص بھی اپنا بُرا نہیں چاہتا، کوئی بُزدل اپنے پاؤں پر آپ کلھاڑی نہیں مارتا؛ وہ بیچارہ تو اپنے سر پر پہاڑ گرتا دیکھتا ہے، زلزلہ آتا محسوس کرتا ہے اور اُس کے پاؤں تلے سے زمین سرک جاتی ہے پھر وہ کس طرح نہ چیخے چلّائے؛ خدا نے زبان دی ہے اُسے اور کان دیئے ہیں ہمیں! وہ کیونکر نہ بولے؛ ہمیں کیونکر نہ سنائے؛ اُس کا کیا قصور کہ اَور صاحبِ نطق و ہوش مصیبت پر بھی چُپ سادھ لیں، خاموشی سے رشتہ جوڑلیں مگر اِسے کیا پڑی ہے کہ یہ موت کے آنے سے پہلے خاموش ہوجائے؟ کہئے اِس کا کیا قصور اگر اَوروں کو پہاڑ گرتا نظر نہ آئے! زلزلہ آتا محسوس نہ ہو اُن کی بصارت مختلف، اُن کے احساس جُدا۔ خُدا نے اُنہیں ویسا بنایا اِسے ایسا۔ وہ خدا جو سنتے ہیں کمزوروں اور بدنصیبوں کا ساتھی ہے؛ فطرتِ انسانی اگر حوصلہ مندوں ہی کی مداح ہے تو کیا مشیّتِ ایزدی بُزدِلوں کی طرفدار نہیں؛ یہاں نہ سہی تو آگے

چل کر بھی نہ ہو گی؛
بز دلوں کو کم از کم اس بات کے یقین میں پختہ اعتقاد اور مستقل مزاج ہونا چاہیے
کہ خدا حوصلہ مندوں کے خلاف ہو نہ ہو اُن کے ساتھ ضرور ہے!
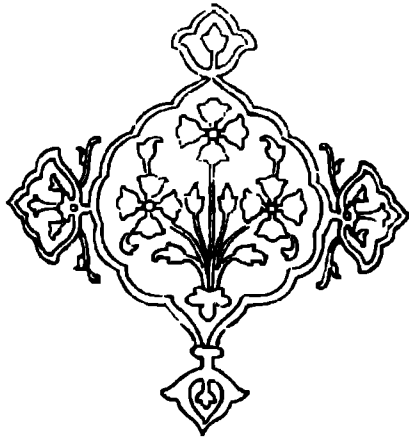
خوش قسمت کون ہے؟

سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہے؟ اِس سوال کو سُن کر اکثر لوگ کہہ اُٹھیں گے بے شک "دولتمند" "مالدار" "کھاتے پیتے آدمی" یہی سب سے بڑھ کر خوش قسمت ہیں، نہ اِن کو جاڑے کی فکر، نہ گرمی کی تکلیف، نہ خوراک کی قلّت، نہ کمروں کو کھڑکیوں کا گھاٹا اچھا رہنا اچھا کھانا اچھا پہننا۔ سردیوں میں انگیٹھی ان کی خدمت کرتی ہے، گرمیوں میں تہ خانے اِن کے قدموں میں لوٹتے ہیں؛ ریشم کے کیڑے جان دیتے ہیں کہ اِن کا لباس تیار ہو، بھیڑیں بکریاں قربان ہوتی ہیں کہ اِن کی خوراک کا سامان حاضر ہو؛ کوئی دُکھی ہو تو اِن کی بلا سے یہ خوب سُکھ میں ہیں؛ اور بندہ کیا کہے، خدا ہی نے روزِ اوّل سے اِن کے روزینے مقرّر کر دیئے، بس یہی خوش قسمت ہیں اور اِنہی کا نصیبہ اَوج پر ہے۔

دولت ہو تو کس شے کی کمی ہے؛ جنوبی امریکہ کے پالتو بیل کا گوشت انگلستان کے ڈبّوں میں بند ہو کر شملے میں حاضر ہے اور لپک کر دولتمند کے مُنہ میں جا پڑتا ہے کہ "حضور میں ہوں زُود ہضم"، سونا چاندی ہو تو سخت مزاج حکمرانوں کی درشتی بھی آپ کے شراب کباب سے لُطف اُٹھا کر دوستی اور "ہاؤ ڈو یو ڈو" میں تبدیل ہو جاتی ہے؛ بتایئے جس سے ایسے ایسوں کا دِل نرم ہو جائے وہ فرشتوں تک کو بھی کیسے تسخیر نہ کر لے گا

اے زر تو خدانہ ولیکن وغیرہ وغیرہ، سچ یہ ہے کہ اگر اِس دُنیا میں خدا کا کوئی حریف ہے تو دولت! شاید اِسی کا نام شیطان ہے، شاید اِسی نے آدم کو گیہوں اور بیسیوں اور قِسم کے اناج اور اناپ شناپ کی ترغیب دی ہوگی۔ انگلستان کس لئے سینکڑوں ملکوں کو دبائے ہوئے ہے! انگریز کس لئے اینٹھ اینٹھ کر چلتے ہیں؟ اِسی لئے کہ اُن کے پاس دولت ہے! مُسلمان کس لئے خانہ نشین رہتے ہیں، اب اُن کا خدا بھی اُنہیں نہیں پوچھتا! شاید اسی لئے کہ وہ خالی ہاتھ اور خالی جیب ہیں؟ سنتے ہیں کہ روپیہ ہو تو دس ہزار سے خانصاحب، بیس ہزار سے رائے بہادر اور ایک دو لاکھ سے بیر بد دماغ "سر" ہو جاتے ہیں! پھر کیا عجب ہے کہ نوعِ انسان کے بعض طبقے دولت کو دلوتا بنا کر اُس کی پُوجا کرتے ہیں۔

دولت کی جہانگیری سے کون انکار کر سکتا ہے؛ یہ دُنیا زیادہ تر دولتمندوں کے پنجے میں ہے لیکن وہ شہباز جو چڑیا پر جھپٹ اُس سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اکثر کسی بندوقچی کا نشانہ بن کے رہتا ہے! اِسی طرح اکثر دولتمند جو دنیا کی بہت سی نعمتوں کو نگل جانے میں مشّاق پیدا کر لیتے ہیں اُن کو عموماً ہضم نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کوئی امیر مخنی نہ ہو حالانکہ اب بہتوں پر قیسِ عامری کا دھوکا ہوتا ہے! کئی امیر زن و شوہر لڑنے جھگڑنے میں کونسل کے ممبروں کو مات کرتے ہیں اور گھر بھر کو اک جہنم بنائے رکھتے ہیں! پھر خُدا بھلا کرے اِمارت کا کہ اِسی کے بل پر نسخہ نویس ڈاکٹروں کی روزی قائم ہے! حسد اور مقابلہ روپے کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور حرص تو اِس کی سگی بہن ہے، سچ پوچھئے

تو امیروں میں قسمت ہی سے کوئی خوش قسمت ہوتا ہے!

یہ تو تھا امیروں کا قصہ، پھر کیا کثیر الاولاد خوش قسمت ہے؟ کہتے ہیں بچوں کی موجودگی تاریک گھر کو پُرنور کر دیتی ہے، اُن کی مسکراہٹ چاندنی رات کی سیمیں بارش سے کم نہیں لیکن سبھی بچے خوشی کا موجب نہیں ہوتے، انہیں بچوں میں بہت سے بڑے ہو کر ابلیس کے نانا بنتے ہیں اور باپ دادا کے نام میں بٹا لگاتے اور اُن کے لئے دُنیا کو دوزخ بنا دیتے ہیں اور زیادہ اولاد کی نسبت تو مانا ہی گیا ہے کہ چونکہ

توڑا اکبرِ شاخ کو کثرت نے ثمر کی } دُنیا میں گراں باری اولاد غضب ہے (اس لئے ظاہر ہے کہ)

کیا فارغ البال خوش قسمت ہے؟ بلاشبہ اِس کارزارِ ہستی میں دِن رات کی دوڑ دُھوپ اِک عذاب ہے اور ہم میں سے اکثر کے لئے تھوڑی سی فرصت یا فراغت زندگی کی اِک بڑی خوشی ہے جس سے بعض لُطف اُٹھاتے اور جس کے لئے بعض ترستے ہی رہتے ہیں لیکن جسے فقط فارغ البالی کا سامنا ہے اور جس کا کام ہی فراغت ہے یعنی کھانا اور سو رہنا وہ خوش اور مطمئن نہیں رہتا! اُسے اکثر ساری کائنات انگڑائیاں لیتی نظر آتی ہے اور اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ محض بے سود اور تضیعِ اوقات کا بہانہ ہے۔

کیا صحت ور خوش قسمت ہے؟ مشہور ہے کہ تندرستی ہزار نعمت ہے "درست تن والا" اکثر "درست من والا" ہوتا ہے لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا، بیسیوں پہلوان اور سینڈو نما لوگ قسمت کے شاکی ہیں، صحت کا لُطف وہ بے خبری ہی میں لیتے ہیں انہیں صحت اور اُس کی خوشیوں کی قدر نہیں ہوتی۔

پھر کون خوش قسمت ہے؛ بلا شبہ خوش دِل خوش قسمت ہے! اُسی کا نصیب اچھا ہے جو اپنے ضمیر کے مطابق کام کرے اور کسی نہ کسی طرح خوش رہے۔ بظاہر یہ ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ جو خوش ہے وہی خوش قسمت ہے، دولت، اولاد، فراغت، صحت اِن سب سے خوش دل و خوش مزاج ہی لُطف اُٹھا سکتا ہے اور خوش دل ہے جو یقین رکھتا ہے کہ وہ خوشی کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو سمجھتا ہے کہ خوش و مطمئن رہنا اُس کا فرضِ منصبی ہے اور حق اولے وہ دولت اور اولاد اور فراغت اور صحت کی کمی میں بلکہ بعض اوقات مصیبتوں اور تکلیفوں کے ہجوم میں بھی مسرور و مطمئن ہے! دُنیا اُس سے خوش ہے وہ دُنیا سے خوش!
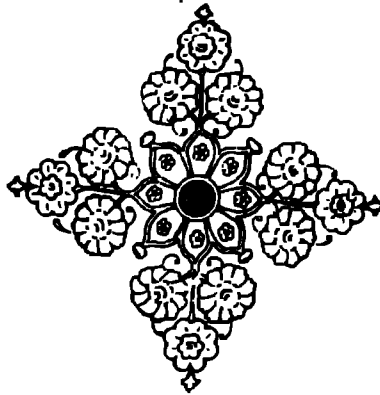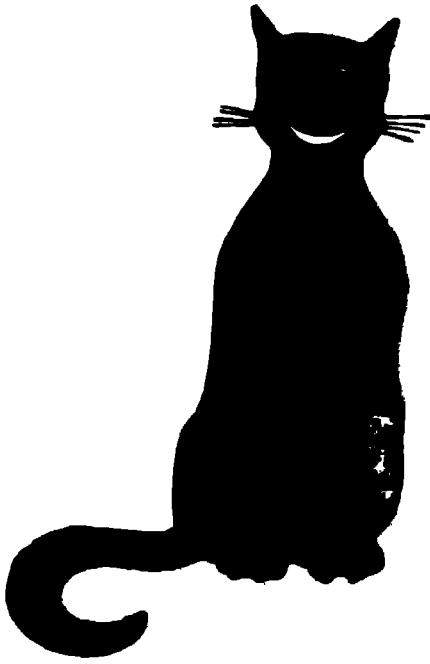
مسکراتے رہو

مُسکراتے رہو

کون کہتا ہے کہ ضرور ہنسا کرو، ضرور ہنستے ہی رہا کرو لیکن اگر ہنسا نہ بھی جا سکے تو کم از کم ہمیشہ مُسکراتے رہو۔ اور یہ کُچھ اِتنا دشوار بھی نہیں، ذرا لبوں کو جُنبش ہوئی اور مُسکرا دیا، جُنبش گوارا نہیں تو آنکھوں ہی نے مُسکراہٹ ادا کر دی اور اسی سے دل کی باچھیں کھِل گئیں؛ تمہارا سالن کا پیالہ چھلک جائے، تمہاری گھڑی گر کر شیشہ ٹوٹ جائے، تمہارے بوٹ کا تسمہ کھُل جائے تو تمہارا مزاج کیوں درہم برہم ہو؟ کسی عزیز کی موت واقع ہوتی، کوئی گھر زلزلے سے برباد ہو جاتا، کہیں آمدنی کا ذریعہ جاتا رہتا تو اِک بات بھی تھی کہ تم رونی صُورت بنا لیتے لیکن یہاں تو فطرت نے اپنی ذرا سی اِک نزاکت دکھائی اور تمہارے تیور بدل گئے۔ خدا بھلا کرے تمہاری عقل کا، تم نے اپنی زندگی کو خدا کی کائنات سے زیادہ ضروری سمجھ رکھا ہے؛ لِلّٰہ چھوڑو اِس مُوشگافی اس چیں بجبینی کو، خدا کے فرشتے تمہارے اِس چھوٹی موٹی پن پر مُسکراتے ہیں اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔

نوکر سے ایک بار خفا ہوئے تو دو تین دفعہ مُسکرا کر ہی ٹال دو؛ زیادہ کھانے سے طبیعت میں گرانی ہے تو ذرا اپنی گذشتہ حماقت پر مُسکرا ہی؛ کسی بڑے آدمی کو دیکھ کر رشک آتا ہے تو اُس کی بے بنیاد اکڑ کو دیکھ کر جی ہی جی میں ہنس دو؛ ماں باپ

بہن بھائی یا میاں بیوی کا مزاج خراب ہو تو ذرا اُن کے مُنہ کو غور سے دیکھو کہ کِتنا بھدّا بن گیا ہے اور کِس قدر لطف انگیز منظر سامنے ہے! یہ خفا ہونے کی باتیں نہیں مُسکرا دینے کی چیزیں ہیں۔

خُدا گواہ میں اُس شخص کو جو اپنی سونے کی زنجیر کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے اُس فی البدیہہ گدھے سے بدتر سمجھتا ہوں جو اپنا رسّا تُڑا کر اپنے سمجھدار مالک کے آگے بلا وجہ دُلتیاں چلاتا ہوا بھاگتا پھرے!
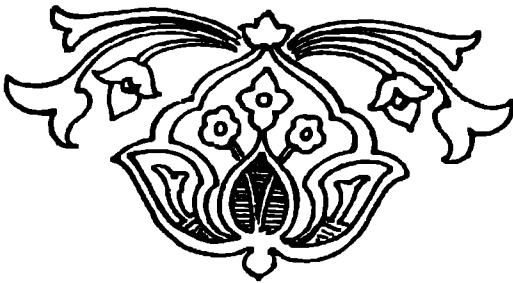
انجمنِ زندہ دلانِ ہند

اُصولِ کار ـــــــــ خوش ہو

دائمی سرپرست ـــــــــ شاہنشاہ جہانگیر کی رُوح

صدرُ الصُّدور ـــــــــ ہندوستان کا سب سے زیادہ زندہ دِل بُوڑھا

مقاصد

۱۔ ہر ہندوستانی کو خنداں نظر، شیریں زبان، چست خرام، خوش خیال اور مستِ حال بنانا۔

۲۔ ہر ہندوستانی کو اُس کی رُوح سے نجات دلانا اور اُس کے دل سے روشناس کرانا۔

۳۔ ہر قسم کے نظری رُعب داب اور علمی متانت کا قلع و قمع کرنا۔

۴۔ ہر نیک و بد شخص کو اعتدال کی راہ پر لانا۔

۵۔ ہر حکومت پسند مرد اور ہر ضدی عورت کی زندگی میں کسی نہ کسی طرح ہلچل ڈال دینا۔

۶۔ متانت کے سخیف و کثیف دریا میں اپنی ٹوٹی پھوٹی ناؤ ڈال کر ظرافت کی لطیف و شریف موجیں پیدا کرنا۔

۷۔ مذہبی آدمیوں کو یقین دلانا کہ ظرافت اور زندہ دِلی بھی خدائے جبّار کی بنائی ہوئی

ہیں اور شیطان مسخ شدہ سنجیدگی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اِس مقصد کی تکمیل کے لئے ظریف مولویوں اور پنڈتوں کی ایک جماعت تیار کرنا۔

۸۔ احمقوں سے خوش دلی، خدا ترس مریضوں سے خود فراموشی اور دندان سازوں سے دنداں نمائی کا سبق سیکھنا۔

۹۔ انگریزوں کو مجبور کرنا کہ وہ صرف آپس میں ہی نہیں بلکہ ہمارے ساتھ بھی حاکمانہ متانت چھوڑ کر انسانوں کی سی بے تکلفی برتیں۔

قواعد

۱۔ اِس انجمن کا نام انجمن زندہ دلانِ ہند ہوگا (کسی اور قوم کو ایسی انجمن بنانے کی اجازت نہ دی جائے گی کیونکہ اِس کی سب سے زیادہ ہندوستانیوں ہی کو ضرورت ہے)۔

۲۔ انجمن کا صدر مقام قطب مینار کے قرب و جوار میں دو تین ہزار قبروں کو ہموار کر کے تیار کیا جائے گا اور اُس کا نام ظریف آباد عظمیٰ ہوگا۔

۳۔ ہندوستان کے ہر شہر اور ہر گاؤں کو مسمار کر کے شہر کی جگہ ظریف آباد اور گاؤں کی جگہ ظریف پور آباد کیا جائے گا اور انجمن کے بےمعنی دفتر میں ان کا نمبروار اندراج ہوگا۔

۴۔ ارکانِ انجمن کو ظریف پناہ کے اندر اور غیر رُکنوں کو ظریف پناہ کے باہر رہنے سہنے کی اجازت ہوگی؛ ہر شام ظریف پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور انجمن کے سنگھاشنی مبلغ غیر رُکنوں کو انجمن کے بے قاعدہ مذہب پر ایمان لانے اور اُس

کے حلقۂ اثر میں داخل ہونے کی دعوت دیں گے۔

۵۔ ہر مقامی انجمن کا ایک "بے قدر" صدر اور ایک "غیر معتمد" معتمد ہوگا۔

۶۔ صدر ظریف آباد یا ظریف پور کا سب سے زیادہ مصیبت زدہ لیکن سب سے زیادہ حوصلہ مند شخص ہوگا۔

۷۔ معتمد ظریف آباد یا ظریف پور کا سب سے بلند قہقہہ لگانے والا صحیح الدماغ آدمی ہوگا۔

۸۔ رکنیت کی شرط ہنس سکنے کی مکمل خواہش ہوگی۔

۹۔ جو رکن کہیں روتا یا دو سے زائد آہیں بھرتا یا اپنے قدموں یا آسمان کی طرف دیکھتا ہوا پکڑا جائیگا یا کبھی کسی حالت میں چین بجبیں یا سنجیدہ یا متفکر نظر آئے گا اُسے انجمن سے مستعفی ہونا پڑے گا۔

۱۰۔ ایک آہ بھرنے کی سزا سات مصیبت کے دِنوں میں آٹھ گھنٹے روزانہ مُسکرانا ہوگی۔

۱۱۔ غیر رُکن "انسان" اور رُکنِ انجمن "بھائی جان" کہلائے گا۔

۱۲۔ دو رُکنوں کی ملاقات کے وقت پہلا کہے گا "بھائی جان! خوش رہو!" دوسرا جواب دے گا "بھائی جان! ہنستے رہو"۔

۱۳۔ روزانہ چندہ ضرورت کے وقت اور عند الطلب ایک دوسرے کی اور "انسانوں" کی مضحکہ خیز مدد ہوگی! مسلسل سات روز تک چندہ ادا نہ ہونے کی صورت میں رُکن کو "زندہ برداری" سے خارج کر دیا جائے گا۔

۱۴۔ انجمن کے مُلازمین میں ایک ڈاکٹر، ایک شاعر اور ایک وکیل ہوں گے جو وقتاً فوقتاً

انجمن کی جسمانی، قلبی اور دماغی مرمت کرتے رہیں گے۔ ان کے بل پیش ہونے پر انجمن کو دیوالیہ قرار دیا جائے گا۔

۱۵۔ انجمن کا جلسہ باقاعدہ طور پر ہر ایسے روز منعقد ہو گا جب موسم خراب ہو، غلّہ مہنگا ہو، وبا پھیلی ہو، گورنمنٹ غصّے میں ہو، پبلک جوش میں ہو اور بالخصوص جب شہر یا گاؤں کے اکثر لوگوں کا مزاج چڑچڑا ہو رہا ہو۔ ضرورتِ جلسہ کا فیصلہ انجمن کے "مقیاس المزاج" کے مشاہدے پر منحصر ہو گا۔

۱۶۔ مقامِ جلسہ ظریف پوروں میں کنواں اور ظریف آبادوں میں سڑک ہو گی۔

۱۷۔ انجمن کا سالانہ اجلاس ہر سال ۳۱ دسمبر کے بعد اور یکم جنوری سے پہلے وقت بے وقت منعقد ہو گا۔

۱۸۔ جلسے کی تقریروں اور نظموں پر اظہارِ تحسین کے لئے سامعین چلّائیں گے "خوش رہو" "ہنستے رہو"!

۱۹۔ جنگ کے وقت انجمن کی توپوں کے ذریعے سے شہروں اور دیہات پر ظریفانہ لٹریچر برسایا جائے گا۔

۲۰۔ انجمن کی طرف سے سرگرم کارکنوں کو خطابات دیئے جائیں گے، مثلاً مذاق الملک، ظریف الدولہ، مصیبت ٹال، دردہنس، متانت کش وغیرہ وغیرہ۔

ضرورت ہے

۱۔ ایک ایسے سیاسی رہنما کی جو سچ بولنا چاہے اور بولے۔

۲۔ ایک ایسے ایڈیٹر کی جو ایڈیٹر بنتے ہی انشا پردازی کا ملکہ نہ کھو بیٹھے۔

۳۔ ایک ایسی مشرقی بیوی کی جو خاوند کو خدا نہ سمجھے۔

۴۔ ایک ایسی مغربی بیوی کی جو خاوند کو خاکِ پا نہ سمجھے۔

۵۔ ایک ایسے مشرقی شوہر کی جو بیوی کو دیکھ کر مجسّم وقار نہ بن جائے۔

۶۔ ایک ایسے مغربی شوہر کی جو بیوی کے سامنے آتے ہی مجسّم انکسار نہ بن جائے۔

۷۔ ایک ایسے ہندوستانی کسان کی جو قسمت کا قائل نہ ہو۔

۸۔ ایک ایسے متقی مسلمان کی جو زبانی اِنشاءاللہ کا دِل سے عامل ہو۔

۹۔ ایک ایسے متمدّن گھرانے کی جہاں گفتگو کا نام بحث نہ ہو۔

۱۰۔ ایک ایسے جگر کی جو ڈاکٹروں اور شاعروں سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

۱۱۔ ایک ایسی ناقص آنکھ کی جو دشمن کو دوست سمجھ بیٹھے۔

۱۲۔ ایک ایسے مؤرخ کی جو واقعات کو اپنے خیالات کے سانچے میں نہ ڈھال دے۔

۱۳۔ ایک ایسی قوم کی جو بے رنگ بے مذہب اور بے زبان ہو۔

۱۴۔ ایک ایسے دوست کی جو سب عزیزوں دوستوں سے تنگ آچکا ہو۔

۱۵۔ ایک ایسے ولی کی جو سمجھداری کو پرہیزگاری کا درجہ دے۔

۱۶۔ ایک ایسے خدا کی جو سمجھ میں آسکے۔

۱۷۔ ایک ایسی ظرافت کی جس کی بنیاد متانت ہو۔

۱۸۔ ایک ایسی گمنامی کی جس سے شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ مل جائے۔

میں ہوں تیری لاڈلی بیوی
میں ہوں تیری

شادی

کا
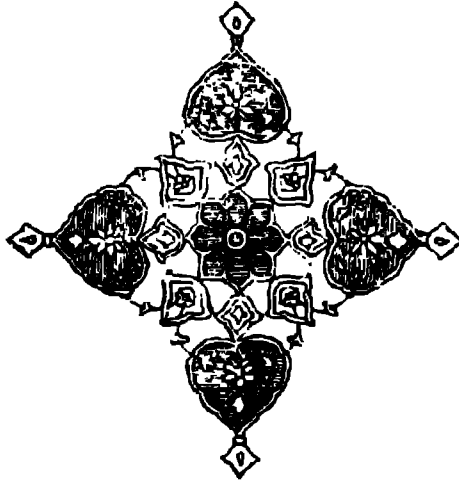
روشن پہلو	تاریک پہلو
شادی خانہ آبادی کا ہم وزن ہے	شادی خانہ بربادی کا ہم قافیہ ہے
اپنے نصفِ بہتر سے رابطہ	دوسرے کے نصفِ بدتر سے واسطہ
گُل و بُلبل کی چہ میگوئیاں	طائر و صیّاد کی فریب کاریاں
ایک ایسی فراغت جس کے ساتھ باہر کے کام میں گھر کا آرام ہے	ایک ایسی مشغولیت جس کے ہوتے گھر کی راحت جہنم کی کلفت بن جاتی ہے
بیوی پیار کرتی ہے، ساس پُچکارتی ہے	بیوی کاٹنے دوڑتی ہے، ساس ستیاناس کرتی ہے
جب غیر حق تلفی کریں تو زن و شوہر ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے ہیں	جب زن و شوہر ایک دوسرے کا ساتھ دیں تو اکثر غیروں کا حق مارتے ہیں
محبّت کی دولت مفت مِل جانا	دولت کی محبت گلے پڑ جانا
دو پھولوں کے ملنے سے ایک کلمہ بن جانا	دو کلموں کے ملنے سے دو اور بعض وقت پانچ چھ بلکہ آٹھ دس پھل تیار ہو جانا
بچے کی مسکراہٹ سے اندھیرے گھر میں اُجالا ہو جانا!	بچے کی "چلّاہٹ" سے رات رات بھر سو نہ سکنا!

محبّت

کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً

۱۔ ماں بچے والی محبت کہ محبت کی بسم اللہ وسبحان اللہ ہے۔

۲۔ میاں بیوی والی محبت کہ محبت کی قل ہو اللہ و نعوذ باللہ ہے۔ اس کی پھر بہت سی قسمیں ہیں: ایک پُرانی جس میں جنابِ شوہر لٹھ مار کر بیوی سے محبت کراتے ہیں؛ دوسری نئی جس میں جنابِ زوجہ کم از کم شوہر سے محبت نہیں کرتیں؛ تیسری وہ جس میں بات بات پر طلاق ہوتی ہے؛ چوتھی وہ جس میں ازل سے ابد تک اور جنت سے جہنم تک میاں بیوی کبھی کہیں ایک دوسرے کا دامن نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ خدا تنگ آکر اُن کی رُوحوں کو برباد کر دیتا ہے۔

۳۔ اُردو کے شاعروں کی محبت جس کے صیغوں سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عاشق کس طرح کی ہستی یا کس قسم کے وجود سے محبت کرتا ہے یا کرتا بھی ہے یا نہیں۔

۴۔ کتابِ ہذا کے باب "آئینۂ دل" والی محبت جس میں اصلی حاصل شدہ محبت کے لُطف سے مُنہ پھیر کر پارسا دلگیر اپنے محبوب سے عمداً دُور بھاگتا ہے تاکہ اُس کی جُدائی میں آبدار شعر لکھ سکے اور عند الملاقات بھی ذرا دُور ہی بیٹھتا ہے تاکہ کچھ محبوب سے شرما

کر اور کچھ اپنے ایثار سے متاثر ہو کر "آئینۂ دل" والے مضمون قلم بند کرتا رہے!

۵۔ جس وقت دل میں جوش اُٹھا آؤ دیکھا نہ تاؤ جو اچھی صُورت سامنے آگئی اُس سے لگ گئے محبّت کرنے۔

۶۔ جس میں اندھیری راتوں کو تارے جھلمل جھلمل کرتے ہیں!

۷۔ جس میں روشن دِلوں کو آنکھوں کے آگے جگنو اُڑتے ہیں!

۸۔ اپنے مکان میں کوٹھے پر چڑھ جانا اور ساتھ کے مکان کی چھت پر ایک بھولی بھالی دوشیزہ کو دیکھ کر دِل پکڑ کر رہ جانا۔

۹۔ کسی امیر کی دولت وعزت کا شہرہ سُن کر اُس کی اَن دیکھی صاحب زادی کو رفیقِ زندگی بنانے کی گدگدی دماغ میں اُٹھنا۔

۱۰۔ یہ معلوم کر کے کہ محبت ایک عجیب و غریب چیز ہے دِل کو اُبھارنا کہ اُس میں محبت پیدا ہو۔

۱۱۔ یہ معلوم کر کے کہ خدا ہمدردوں کو ثواب دیتا ہے خدا کی مخلوق یا اپنی بیوی یا ماں یا رشتہ داروں یا دوستوں سے ہمدردی یا محبّت کرنے کی سخت کوشش کرنا۔

۱۲۔ کسی سے محبّت کرنا اور ایک زیادہ اچھی صُورت دیکھنے پر اِس سے اُلفت کرنا اور ایک زیادہ دلکش شخصیت سے ملنے پر اِس سے رشتہ جوڑنا اور ایک زیادہ چُلبلی ہستی سے دوچار ہو کر اِس سے دل لگا لینا اور اِس طرح ہر سال بلکہ ہر ماہ بلکہ ہر ہفتے اپنے محبُوبوں کی سول لسٹ میں اِضافہ کرتے جانا، یہ محبّت کی ایک نئی متمدّن صُورت ہے۔

مُلاقاتی

مُلاقاتیوں سے اِنہیں ہمیشہ نفرت رہی۔ چھوٹی عمر میں اِس کا سبب کچھ اِن کا ماحول تھا کچھ اِک فطری عُزلت پسندی اور کچھ اِک حیا آمیز بُزدلی۔ لیکن بڑے ہو کر اس میں ایک اَور چیز کا اضافہ ہُوا: بے احتیاجی کا؛ ناموری کی خواہش نہ تھی روٹی کمانے کی فکر نہ تھی۔ کمرے میں بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں یا کسی دوائی کے اثر پر غور کر رہے ہیں کہ ملازم ایک کارڈ لایا؛ ملازم پر ایک تیوری چڑھائی کارڈ پر دو تین؛ کون ہیں؛ مسٹر فلاں بیرسٹر یا انجنیر! کہہ دو "تیار نہیں" یا سیدھے دو ٹوک "مِل نہیں سکتے"؛ حالانکہ خدا کے فضل سے مزاج کچھ ایسا تُرش نہیں پایا اور آج ہاضمے کا فعل بھی کافی تسلّی بخش ہے لیکن نہیں کسی سے ملنا اور خصوصًا کسی نئے آدمی سے مِلنا تو اِن کے لئے عذابِ جان ہے۔

یہ اپنی مرضی کے مالک ہیں، خیالات کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں، کوئی نئی لہر اِن کے جی میں اُٹھتی ہے تو وہ اِنہیں بہالے جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بار جو رُوحانیت اِن کے سر پر سوار ہوئی اور اِنہیں ہر شے میں خدا ہی خدا نظر آنے لگا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر نیکی کرنے کا خبط ہو گیا تو یہ ہرگز رنے والے اور اِس لئے ہر آنے جانے ملنے جلنے والے آدمی سے بڑھ بڑھ کر ملنے لگے لیکن یہ آندھی چڑھی تھی تھوڑی مدت میں اُتر گئی۔ اِسی

طرح پھر ایک دفعہ ایک مغربی نیم فلسفی کی ایک کتاب کے زیر اثر جو انہوں نے نئے انوکھے "مفہومات" سے اپنی شخصیت کو فروغ دینا چاہا اور ہر شخص میں انہیں انوکھاپن اور ہر انوکھے پن میں انہیں اپنی ترقی کا راز ملا یا سمجھے کہ ملا تو یہ لگے ہر کہ ومہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے اور دماغ کرید کرید کر سمجھنے لیکن یہ بھی ایک جھگڑا تھا تھوڑی دیر چلا اور ختم ہوگیا۔ عادت اِن کی جُوں کی تُوں ہی رہی، انسان سے گریز اور نسوانی ہستیوں سے تو قطعاً پرہیز! ہاں کوئی اُردو کا مصنف یا اِنشا پرداز یا خوش الحان شاعر قسمت کا مارا اِدھر آنکلا اور اِن کی جسمانی حالت درست ہوئی اور بالخصوص یہ وہ دن ہوئے کہ کسی تصنیف یا مضمون کی ترتیب و تصحیح میں مصروف ہیں تو پھر کیا ہے فوراً اُسے اُوپر ہی بُلالیا اور باتوں اور فقروں اور محاوروں اور لفظوں کے پُل جو باندھنے شروع کیے تو گویا زندگی کے اُس پار ہو گئے، دُنیا کا ہوش نہ دین کی پروا، کھانے کا وقت ہوگیا تو ہوگیا گھر سے بُلاوے آ رہے ہیں تو آئیں، کوئی نہایت معزز آدمی بھی اپنی موٹر میں آیا تو آئے اور چلا جائے مگر یہ اُردو ادب کی جھیل میں غوطہ لگائے ہوئے دُنیا کی نگاہوں سے گُم ہیں۔

لیکن بالعموم ایسے مفلوک الحال شیریں مقال لوگوں کے سوا ملاقاتی کے خیال سے اِن کے جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے! کمرے میں متمکن ہیں، باہر کی کوئی چیز اندر نہ آئے، ہاں سورج کی شعاعیں آسمان کی ہوائیں، سامنے کے باغ کی خوشبوئیں اِن کو بغیر اطلاع دیئے آنے جانے کی عام اجازت ہے، اکثر اِن کے جی میں آتا ہے کہ کاش میں بھی چاند کی اِک کرن ہوتا کہ دن بھر کے ملاقاتیوں سے بچ کر راتوں کو کسی دُور کے

جزیرے میں سمندر کی ہلکی لہروں سے کھیلتا!

غرض انہیں ملاقاتیوں سے سخت نفرت ہے اور کائنات کے بنانے والے سے یہ خاص شکایت ہے کہ وہ انسان بناتا لیکن ملاقاتی نہ بناتا اور اس نفرت و شکایت کی زیادہ تر یہ وجہ ہے کہ یہ اُن کچھوا نما شخصوں میں سے ہیں جو اپنے اندر محصور رہتے ہیں جن کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے کہ ایسے شخص سے ڈرو جسے کسی شے کی ضرورت نہ ہو!

لیکن یہ ہر فرعونے را موسیٰ۔ کوئی لاکھ اپنے مال و دولت میں مگن ہو مگر دولت، کم از کم آج کل، یا زمینوں سے یا مکانوں سے یا صنعت سے یا تجارت سے غرض کسی نہ کسی طرح اپنی یا دوسروں کی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی مالکانِ مکانات و دکانات کی فہرست میں شامل ہیں۔ ایک دن ایک اُڑتی اُڑتی خبر سُنی کہ دکانات کے کرائے قانوناً کم کر دیئے جائیں گے، اب رنگینی ان کے دماغ میں جوں؛ اُٹھے، بوٹ پہنا، ہیٹ ڈاٹی، میز کے دراز کو کھولا، ملاقاتی کارڈ نکالا اور چلے کسی کونسل کے ممبر کے بالاخانے کی طرف۔ سب علم و ادب بھول گئے، شعروں کی بیاض دھری کی دھری رہ گئی، غالبؔ و ذوقؔ ہوں گے کسی زمانے کے لوگ اب ہمارا وقت ضائع کرنے والے۔ کونسل کے ایک ممبر کی طرف جا رہے ہیں! کئی بار اس سے پہلے جناب وزیر تک نے ان کے پاس آنا چاہا لیکن انہوں نے ناک بھوں چڑھا کر منہ پھیر لیا اور اب یہ کونسل کے ایک کونسل سے ممبر کی طرف جا رہے ہیں۔ پہنچے، باہر چپراسی کی طرف دیکھتے ہیں اور اس طرح مسکراتے

ہیں گویا کسی نازنین کو دیکھ پایا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ یہ غالباً کوئی صاحب ضرورت شخص نہیں ہیں محض رُوکھے پن سے کارڈ پکڑ کر بڑے ناز و ادا کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ "نمبر" صاحب کے دفتر کی طرف چلتا ہے! ادھر یہ اپنی موٹر میں بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ کونسل کا ممبر بننا کچھ ایسی بُری بات نہیں جیسی ہم سمجھتے آئے ہیں؛ غور کرتے ہیں کہ آئندہ انتخاب کب عمل میں آئے گا، کونسا حلقۂ انتخاب ہمارے لئے موزوں ہوگا، ہماری کامیابی کی کتنی اُمید ہو سکتی ہے، ہمیں کون کون سے لوگ جانتے ہیں، کن کن لوگوں سے ملنا ضروری ہے؟——
اُف! الٰہی تیری قدرت! ——— اور وہ دُور چپراسی کارڈ ہاتھ میں لئے جھُومتا جھامتا واپس آ رہا ہے اور اِدھر مابدولت کا دِل اُسے دیکھ دیکھ کر دھڑک رہا ہے اور دُنیا کا مُنتظم فرشتہ چپکے سے پہلو میں آ کر گدگدی کرتا ہے اور کان میں کہتا ہے "میرے مُعزز ملاقاتی"!
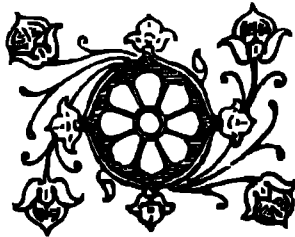
حقیقت کی حقیقت

حقیقت، حقائق، اسرارِ حقائق، حق بمعنی سچ، حق یہ ہے اور حقیقت بھی یہی کہ اِن حقائق سے حق تعالےٰ بچائے ہی رکھے! ہر شے کی کُنہ دریافت کرنا، ہر واقعے کی وجہ، ہر معلول کی علت، ہر ظاہر کا باطن دریافت کرتے پھرنا فضول نہ بھی ہو تو غیر دلچسپ ہے، بے لُطف ہے، اِک مصیبت ہے جس سے خدا سوائے دشمن کے سب کو بچائے!

دھوکا، جھوٹ، ملمع کتنے بُرے لفظ ہیں لیکن کام بہت اچھے ہیں! اچھے نہ سہی، مفید نہ ہوں لیکن گاہے گاہے پُرلُطف، دِل آویز اور تسکین دِہ ضرور ہیں! اور کیا کیا جائے کہ زندگی سے تھک ہار کر متانت کی بجائے مسرت اور زیر و زبر کی بجائے تسکین کی ضرورت محسوس ہو ہی جاتی ہے۔

ذرا دیکھو سچ اور حق اور حقیقت کے عذاب! مثلاً سچ یہ ہے کہ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں! اب اگر اِس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، کبھی بھولا بھُلایا نہ جائے تو سوائے اُن کے جن کا نام خدا خدا سے تعلق اور وہ بھی شہ رگ والا تعلق ہو چکا ہے سوائے اُن کے زندگی باقی سب کے لئے ایک مَوت ہو جائے بلکہ مَوت سے بھی بدتر کہ موت مار تو دیتی ہے لیکن یہ اَور ایسی زندگی نہ جِینا چھوڑتی ہے نہ مار سکتی ہے۔

اور مثال لو! حمید اپنی محبوبہ کے حسن کو ازلی ابدی دوام سے وابستہ تصوّر کرتا ہے لیکن ڈاکٹر سینڈرسن کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ محبوبۂ مذکورہ کے بزرگوں میں ایک ایسے بے رحم مرض کا پتہ چلتا ہے جس کا عمل چند سالوں یا شاید چند مہینوں ہی میں رُخ رنگیں پر ایک مستقل پھوڑے کی شکل میں ظاہر ہو کر اُس تمام حُسن کو برباد کر دے گا جس سے حمید کی نظموں میں آب و رنگ پیدا ہو رہا ہے۔

انگریزوں کے ہاں بعض کہتے ہیں حسن جلد تک محدود ہے لیکن دیکھو کہ اِن نازک جلدوں کو کس طرح مجلّد کر کے وہ اپنے مردہ کتب خانوں میں نہیں بلکہ اپنے زندہ و تابندہ گول اور کھانے والے اور پلنگ کمروں کی زینت بنائے رکھتے ہیں! حسین صُورتوں سے اپنے تئیں گھیرے ہوئے ہیں کہ اُن کو اپنی درشت طبیعتوں کا آپ احساس نہ ہو۔

انگریزوں کو تو خیر کہیں گے کہ حقیقت ناشناس ہیں! مشرق کی دنیا ہی میں آیئے اور غور کیجیے کہ یہاں بھی حُسن، بالخصوص مؤثر حُسن، شاعر بنا دینے والا حسن، روحانی گہرائیوں میں مستوُر رہنے کی بجائے بالعموم جسمانی سطح ہی پر تیرا کرتا ہے۔ حسن کی گہرائی چوتھائی اِنچ بھی تو نہیں! کسی حسن کی مُورت کو کسی وجہ سے ذرا زور سے کھُرچنا چاہو تو بس صُورت مُورت سب ختم اور حسن بے حسن ہو جائے۔

عذرا کا چہرہ خوشنما ہے! خصوصاً اُس کی دلفریب آنکھیں جن سے عباس کا دِل پارہ پارہ ہے! کیوں؟ آنکھیں بڑی بڑی ہیں اور گول گول! لیکن بڑی آنکھیں تو

عباس کے گھوڑے کی بھی ہیں اور زیادہ ہی گول گول اُس اُلّو کی جو اُس کی تنہائیوں میں اکثر بولتا رہتا ہے لیکن نہ گھوڑے کی ہنہناہٹ نہ اُلّو کی عظمت وجبروت سے کبھی عباس کے دل پر ذرا سا بھی اثر ہوا۔ پھر اَور کیا ہے؟ وہ کالی ہیں؛ لیکن اُن کے ساتھ سفیدی بھی تو ہے یا کچھ نیلی نیلی سی ہیں؛ نیلی دُنیا میں ہزاروں چیزیں ہیں آسمان نیلا ہی نیلا ہے اور سمندر اکثر نیلے ہی ہیں اور نیل کنٹھ ضرور نیلا ہوگا اور نیلم بھی لیکن نہ آسمان نہ سمندر نہ نیل کنٹھ نہ نیلم کسی نے بھی حضرتِ عبّاس کے دِل میں بلکہ شاید کسی اَور کے دل میں بھی کم از کم اتنا راتوں کو بے تاب وبیدار رکھنے والا درد نہ پیدا کیا ہوگا۔ پھر آخر کیا ہے وہ شے جو عذرا کی آنکھوں میں ہے؟ ڈاکٹر بشن داس ماہرِ چشم کے جی میں شاید کبھی کبھی آتا ہو کہ چیر پھاڑ کر کے اِن آنکھوں کے حُسن کی ماہیت کو دریافت کرے ورنہ اَور تو کسی نے اُس کی حقیقت ڈھونڈ نکالنے کا کبھی خیال بھی نہ کیا ہوگا؛ اور حق یہ ہے کہ یہ حقیقت ڈھونڈ نہ نکالی جائے تو بہتر ہے؛ یہ معمّا حل نہ ہو تو پُرلُطف ہے؛ اور اسی طرح شیریں کی چال ڈھال اور وضع قطع میں جو اِک نہ بیان ہو سکنے والی ادا ہے وہ بھی کبھی بیان نہ ہو تو بہتر و انسب ہے۔

غرض حُسن کا جتنا لُطف ہے اُس کے دھوکے میں ہے، فریب میں ہے، ورنہ کہاں اُس میں وہ گہرائی اور اصلیت اور بنیاد جس کی ایک حقیقت شناس کو تلاش ہے۔ شالامار باغ یا والیِٔ سرائے کے گھر کے مُغل باغ کسی کو جا کھود دو؛ اُن کے سبزہ زار یا لالہ زار یا گلزار کی حقیقت کا اِک ذرا سا انکشاف بھی کرنا چاہو کہ بس خوبصورتیاں ساری

ناپید ہوئیں اور زمین کی بدنمائیاں عیاں، غضب ہے کہ پھولوں کی تابانیوں اور خوبصورتیوں کے نیچے، عین نیچے، اس قدر قریب کہ گویا ساتھ ملی ہوئی قبر کی سی تاریکیاں اور بدنمائیاں ہیں اور ہزاروں مثالیں ہیں۔ عربی ضرب المثل ہے کہ انسان کپڑوں میں چھپے ہوئے بھیڑیئے ہیں۔ کسی روز اپنے تخیل میں لاٹ صاحب اور وزیر تعلیم اور چیف جسٹس اور مولانا متانت خاں اور پنڈت دولت رام اور اپنے باورچی خانے کی مرمت کرنے والے راجوں مزدوروں اور سکولوں کالجوں کے طالب علموں اور ریاضی کے چند پروفیسروں کو غرض ان کو اور اور جن جن کو تمہارا جی چاہے صرف اپنے تخیل ہی تخیل میں ان کی حقیقت دریافت کرنے اور ان کا عادِ اعظم نکالنے کے لئے ان امیروں کبیروں اور غریبوں، ان مفلسوں اور عالموں اور جاہلوں کو بیک وقت و بیک جا صرف اپنے تخیل میں بے لباس کر کے تو دیکھو کہ آخر ان کی حقیقت کیا ہے۔ پھر دیکھو نتیجہ کیسا ہولناک ہوتا ہے اور کتنے پردے نگاہوں کے آگے سے اٹھ جاتے اور کتنی تاریکیاں آنکھوں میں بس جاتی ہیں۔ سب حقیقت کی تلاش کے نتیجے، سب اصلیت کو دریافت کرنے کے نتیجے! فوراً ہی تو جی چاہے کہ جلد جلد بلکہ جلد سے بھی جلد تر خواہ کسی کے کپڑے کوئی پہن لے خواہ لاٹ صاحب کا سوٹ پورنیا مزدور کو پہنا ڈالیں اور پورنیا کی دھوتی لاٹ صاحب کی کمر میں باندھ دیں مگر باندھ دیں جلد بہت جلد اور بلکہ جیسا کہا جا چکا ہے جلد سے بھی جلد تر ——— نہ خدا بچائے ہمیں حقیقتوں کے انکشاف سے! خدا ہمارے لئے دھوکوں اور فریبوں کو زندہ رکھے اور زندۂ جاوید! ہمیں جھوٹ منظور،

سچ کو ہم دُور ہی سے سلام کہتے ہیں اور ہماری دُعا ہے اے حقِ برحق کہ تُو حق نمائی کو ہم سے ذرا دور ہی رکھ اور اگر باطل ہمیں راس ہے تو ہمیں باطل ہی کا بطلِ اعظم بنا کہ آخر اے حقِ برحق وہ بھی تیرا ہی بنایا بسایا ہوا ہے نا !؟

جنوری ۱۹۳۱ء
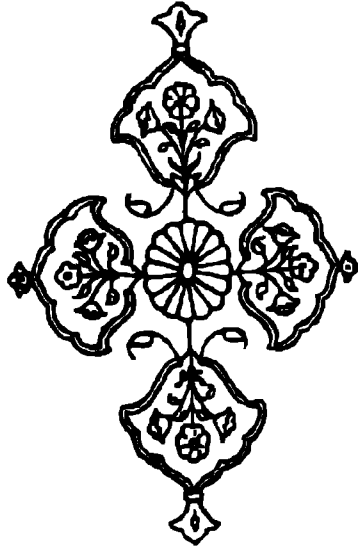
دعوے

دعوے غلط سہی لیکن اُن کے بغیر گذارہ بھی نہیں۔

حال مست شاعر کہتا ہے: ؎

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوے
یہ کہئے دعوے بہت بڑا ہے پھر ایسا دعوے نہ کیجئے گا

صوفی کہتا ہے دعوے مت کرو شاعر کہتا ہے یہ بات بھی کہ دعوے مت کرو ملیک دعوے ہے سو غلط ہے لیکن کوئی اس غریب ناصح سے کہے کہ بھئی یہ بات کہ دعوے کرنا غلط ہے یہ بھی تو ایک دعوے ہے پھر نتیجہ کیا نکلا؛ یہی کہ بغیر کسی سے کہے سُنے کام بھی کئے جاؤ اور باتیں بھی ورنہ یہ فلسفی اور یہ فلسفی شاعر تو بھلے چنگے انسانوں کا مُنہ اپنی منطق سے بھر دیں گے۔ اور دعووں کے متعلق ہمارا دعوے ہے کہ دعوے غلط سہی مگر اُن کے بغیر گذارہ بھی نہیں۔

زندگی میں کون سی شے ہے کہ دعوے نہ ہو؛ خدا ہے؛ خدا نہیں ہے؛ ہم نہیں جانتے کہ خدا ہے کہ نہیں؛ دنیا فانی ہے؛ زندگی کو موت ہے؛ آخرت ہے؛ نہیں ہے؛ مذہب محض اعتقاد ہے؛ طبیعیات عقل پر مبنی ہے؛ یہ شخص خود غرض ہے وُہ بے غرض؛

خود غرضی بُری شے ہے، ایثار اچھی شے؛ دو اور دو چار ہوتے ہیں؛ ایک شے کا بیک وقت ہونا نہ ہونا ممکن نہیں؛ خطِ مستقیم ایک انگریز کی ٹانگ ہے دائرہ ایک ہندو حلوائی کی توند؛ یہ سب دعوے سہی لیکن ہم کہتے ہیں درست ہیں۔ اور اگر عقل پر چلیں تو فلسفے کے ظالم نقادوں نے تو یہاں تک سمجھا دیا ہے کہ کسی فلسفی کا قول کہ "میں ہوں اور اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں" محض اِک بے بنیاد دعوے ہے؛ پہلے اِن ستم ظریفوں نے میں کو لیا پھر ہوں کو لیا؛ اور پھر شاید شک وشبہ اور گنجائش کی قلعی کھول دی۔ اب اگر ان عقل کے ماروں کے پیچھے ہولیں تو ہمیں سانس لینے کا حق باقی نہ رہے؛ اُدھر ان سے بحثنا اور کامیابی کی اُمید رکھنا بھی اِک اُمیدِ موہوم ہی ہے سو بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے پہلے دعوے پر قائم رہیں کہ دعوے غلط سہی لیکن اِن کے بغیر گذارہ بھی نہیں۔ باتوں کی خاطر باتیں کم کریں بلکہ کاموں کی خاطر کام بھی کم لیکن یوں جو کچھ بُری بھلی سمجھ میں آئیں باتیں بھی کہے جائیں اور جو کچھ بُرا بھلا بن پڑے کام بھی کیے جائیں اور مطمئن رہیں!

نئی اور پرانی دُنیا

نئی دُنیا کا سبق ہے کہ جنسیت سے حظ اُٹھاؤ؛ کوئی چیز بھی جو فطرت دے بُری نہیں!

اپنی خوبیوں اور کارناموں کا ذکر کیا کرو؛ انکسار غلط قسم کا ایثار، ایثار غلط قسم کی نیکی اور نیکی غلط قسم کی ترقی ہے!

اَخلاق مصنوعی ہیں اور غلط، جو وقت پر مناسب سمجھو وہ بے دھڑک کہہ گزرو اور کر گزرو؛ یہ حق گوئی ہے!

خاموشی لغو ہے؛ جو جی میں آئے منہ پر سُنا دو؛ عمر میں، رتبے میں، کسی شے میں بھی کوئی بڑا ہے تو ہوا کرے؛ دلیری یوں ہی پنپتی ہے!

کسی کا کہا نہ مانو، کسی کی نصیحت کو اچھا نہ سمجھو؛ جو اپنا جی کہے وہی کرو کہ شخصیت اِسی سے طاقت پکڑتی ہے!

اچھا نئی دُنیا! بہت خوب نئی نویلی دُلھن! میں نے سُن لیا تیرا کہنا! اب اگر میں تیرے کہے پر عمل کروں اور تیری نہ مانوں اور تجھے بھی دو چار سُنا دوں تو تُو کیا کہے؟

پُرانی دُنیا کا سبق ہے کہ جنسیت شیطنت ہے! مرد عورت ایک دوسرے کے لئے زہرِ قاتل ہیں!

اپنی کمیوں اور بُرائیوں کا بڑے مبالغے سے ذکر کیا کرو! خود نمائی، خود شناسی بلکہ خودداری بھی خود غرضی کی تین قسمیں ہیں اور تینوں گناہِ کبیرہ!

صرف رسمی آداب ہی مکمل اخلاق ہیں! تم ظاہر کی حفاظت کرو، باطن کا خود خدا حافظ ہے۔

خاموشی معرفت کی پہلی کڑی ہے! جو جی میں آئے وہ مُنہ سے کبھی نہ کہو! رُوح کی نجات اِسی میں ہے!

ہر بڑے بوڑھے کا کہا مانو! جس رستے پر وہ چلے تم بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لو! جو اپنا جی کہے وہ ہرگز نہ کرو کہ فطرت ابلیس کی شاگرد ہے!

واہ پُرانی دُنیا! میں نے سُن لیا تیرا کہا، بڑی بی! اب اگر میں تیرے کہے پر عمل کروں اور تیری مانوں اور تیری طرح قبر میں پاؤں لٹکا کے بیٹھ جاؤں تو کیا تو اپنے بچے سے خوش ہو؟
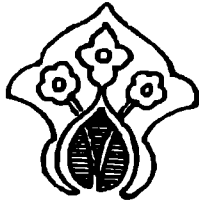
نئی پَود

ہماری نئی اُبھرتی ہوئی پود بے باکانہ لہلہاتی ہے اور میں گھبرا جاتا ہوں۔
خاموشی، نرمی، ضبط یہ اِس میں نہیں! ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو یہ پودے جھومتے
ہیں اور اپنے جھُومنے سے سارے چمن میں ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں۔
میں کہتا ہوں نونہالو دیکھو آرام سے، ہَولے ہَولے اپنا جھُولا جھولو، دیکھو آرام
سے کہ تمہیں اطمینان نصیب ہو!
وہ چِلّاتے ہیں، خاموش رہو تم اور اپنی نرمی کو سنبھال کر رکھو اپنے لئے، اور اپنی
زندگی کو ضبط بنائے رہو، اور آرام تمہارا خدا دے تمہیں اور ہَولے ہَولے ہلے جُلے
تمہارا جھُولا اور اطمینان دو جہان کا بھی تمہیں سمیٹ لو اور پھر اپنے نصیب پر رو دو یا آہیں
بھرو، یہ سب کچھ جو چاہو کرو بڈھے باغبان تم اور تمہیں! ہمارا نصیب جائے بھاڑ میں اور
ہمارا اطمینان بھی اُن کے نصیب میں ہو جو ہلکی ہواؤں میں سو رہنا چاہیں! ہم تو نئی پود
ہیں طُوفان برپا کرنے والی!

گرمیوں کا زمانہ

۸ بجے صبح

خدا ہے تو اور خدا نہیں ہے تو بھی دُنیا خوُب ہے ، خوبصورت بستی ، دلچسپ مقام ، کوشش کا بدلہ آرام ، جیسا کرو ویسا بھرو ، بیج بوؤ پودا لگے ، پھول سونگھو پھل کھاؤ ، ٹھنڈا میٹھا پانی پئے جاؤ اور جئے جاؤ ! محنت کرو عزت پاؤ ، اپنے ملک کو بڑھاؤ ، دوسرے ملکوں کی سیر کرو اور ہر روز نئے سے نیا تماشا دیکھو ! آدمیوں سے ملو ملاؤ ، لوگوں میں ہنسو ہنساؤ ! میل جول کی محفلیں تعلیم و ترقی کی انجمنیں ان میں چاند تارا بن کر چمکو ، علوم کی معلومات سے ، فنون کی حسن آرائیوں سے اپنا دامن مالا مال کرو ، بچوں کی ہنسی ، بیوی کی دلداری ، ماں بہنوں کی محبت ، دوستوں کی اُلفت ہمارے ہر طرف کیسی کیسی خوشیوں کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں ؎

دُنیا بھی اِک بہشت ہے اللہ رے کرم ۔۔۔ کن نعمتوں کو حکم مِلا ہے جواز کا

میں یہ کروں گا ، میں یہ بنوں گا ، میں یوں جیوں گا !

وہی دن

۲ بجے سہ پہر

خواہ خدا ہے خواہ نہیں ہے اِس دُنیا کا نظام انتظام دونوں ابتر ہیں؛ کہیں نیکی کا بدلہ بدی کہیں بدی کا نیکی، کبھی بے کوشش کے عزت و احترام، کبھی لاکھ سر پٹکو مگر نتیجہ صفر یعنی کبھی تو کوشش کا پھل اور مشکلوں کا حل لیکن کبھی محض کورا جواب؛ نیک و بد دونوں کے لئے آرام، اذیتیں، عشرتیں، بے چینیاں، کوئی تمیز نہیں، کوئی فرقِ مراتب نہیں، تلوار چل رہی ہے جو سامنے آگیا اُس کا سر قلم، سیم و زر لٹ رہا ہے، کسی نے ہاتھ پاؤں مار کر کسی نے گھر بیٹھ کر جو پا لیا سو پا لیا؛ اک افراتفری، ایک ہُلّڑ، کبھی اِس میں ناچ کھیل، کبھی ڈھول دھپّا، کبھی شور و غُل اور کبھی قبر کی سی خاموشی؛ حب الوطنی، قوم پرستی، خلق پروری عموماً خود غرضی، خود نمائی، خود آرائی کی صُورتیں اور بس؛ محبّتیں اسفل جذبات کی شکلیں، مصروفیتیں بیزاری سے بچنے کی راہیں؛ محفلیں انجمنیں باہمی ستائش و خوشامد کے جمگھٹے؛ قدیم دستور جماعتی سازشوں کے نتیجے، جدید تحریکات فقط ذاتی لطف اندوزی کے طریقے، اَور کچھ بھی نہیں؛ بے قاعدہ مصروفیت، بے فائدہ محنت، جھُوٹی بے رُوح مسرّت، بس اِن کا بازار دِن رات گرم؛ خوشیوں میں ہر کوئی شریک؛ غم و رنج میں شاذ و نادر ہی کوئی دوست، بے اعتنائی، سرد مہری، بے رحمی؛ زندگی کی راحتیں دوسروں کی کلفتیں بھُول جانے سے قائم، دُنیا کے لطف بے مروّتی اور بے فکرے پن کے زور سے برقرار ہے

"دُنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں — یہ دوست ہے وہ دوست مروّت نہیں جس میں
یہ شہد ہے وہ شہد حلاوت نہیں جس میں" — بلکہ اے شاعر! کچھ بھی نہیں جس میں
برباد ہو جائے یہ دُنیا، بھاڑ میں جائے یہ زندگی، کوئی کب تک جئے اور کس لئے اور کیوں ؟؟؟

---

۸ بجے دُنیا ایک بہشت، ۲ بجے کائنات ایک جہنّم ——— اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ صبح ۸ بجے مَیں باغ میں ٹہل رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، پھولوں کی خوشبو پرندوں کے چہچہوں سے اٹھکھیلیاں کر رہی تھی، جسم میں طاقت تھی، دماغ میں تازگی، دل میں جوش! اور سہ پہر کو ۲ بجے گرمی نے نِڈھال کر دیا تھا، سُستی جسم پر سوار تھی اور نیند نہ آتی تھی کہ کسی کم بخت نوکر نے بستر پر پلنگ پوش کے نیچے ایک موٹا کمبل بچھا رکھا تھا جس نے جسم کو بے چین اور دل و روح کو تھوڑی دیر کے لئے قطعاً مضمحل کر دیا!
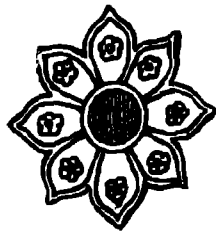
میں اور وہ اور کوئی اور

میں اپنے کمرے میں اکیلا اپنے بستر پر لیٹا تھا؛ اُس نے پردے کی آڑ سے مجھے جھانکا اور چُپ چاپ اندر آگئی!

گھونگھریالے بال ماتھے پر جھالر کئے ہوئے، زُلفیں رُخساروں کی جدوَل بنی ہوئیں گول چہرہ، گلاب کی سی رنگت، بادام سی آنکھیں، بھویں ذرا ملی ہوئیں، پلکیں لانبی لانبی تیز، نوکدار برچھیاں تانے، چھوٹی غنچہ سی ناک، دانت کہ اُوپر نیچے موتی رکھے ہوئے، ٹھوڑی کہ چاند سے مکھڑے کا سہارا، آنکھوں میں شوخی، چہرے میں شرارت، الھڑ، چنچل، پھولوں کی شہزادی، اُس کی چال ایک نئی راگنی، اُس کا سراپا ایک نوخیز سرو رواں، وہ آئی، سیدھی میری طرف آئی اور بستر پر میرے پہلو میں بے تکلف بیٹھ گئی!

کیا جذبات میرے دل میں اُٹھے! ابھی کل رات میں لسان الغیب کے یہ شعر گنگنا رہا تھا:

زلف آشفتہ و خوے کردہ و خنداں لب مست — پیرہن چاک و غزل خوان و صراحی در دست
نرگسش عربدہ جُو و لبش افسوس کناں — نیم شب مست ببالینِ من آمد بنشست
سر فرا گوشِ من آورد و بآوازِ حزیں — گفت کاے عاشقِ شوریدۂ من خوابت ہست

بس بالکل یہی کیفیت تھی اور یہی سماں! سوائے اِس کے کہ اُس کے ہاتھ میں صُراحی نہ تھی بلکہ کوئی اَور گول گول سی چیز، اور آدھی رات کا وقت نہ تھا بلکہ دن دوپہر کا اور اُس کے نازک لبوں پر "عاشق" کا لفظ نہ تھا بلکہ ایک اَور اِس سے بھی (آج کل) "عاجز" لفظ! اُس کا پیرہن بھی چاک تھا اور وہ میرے ہی کچھ شعر گنگنا رہی تھی، بار بار سُنا کر گویا مجھے پھسلا رہی تھی: ؎

جھن من جھن من جھن جھنکار

ناچیں کُودیں گانے گائیں　　　اپنے اپنے من کی سنائیں

پیار کریں آ باہم پیار　　　جھن من جھن من جھن جھنکار

اور اُس کی آواز "حزیں" نہ تھی بلکہ نشاط انگیز، اور کیوں نہ ہوتی آخر چودھویں اور بیسویں صدی کا فرق حائل تھا، کہاں حافظ کے وہ پردہ نشین باحیا معشوق اور کہاں دورِ حاضر کی یہ میری بے پردہ شوخ دیدہ حسینہ!

وہ میری طرف لپکی اور صرف وہی نہیں بلکہ میں بھی! —— اُس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے میں اپنی قدامت پسندانہ متانت کو بھول گیا ہوں! لیکن اِس حُسن کی پُتلی، اِس پیاری دلکشی نے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے مُردہ جذبات میں رُوح پھُونک دی ہے! میں بھی تھوڑی دیر کے لئے کھیلنا اُچھلنا کُودنا چاہتا ہوں، اپنی مُردہ دلی کو خیرباد کہہ کر کم از کم چند ثانیوں کے لئے پھر زندہ و تابندہ ہو جانے کا تمنّائی ہوں —— پتلے پتلے لال لال ہونٹ، کالی کالی گول گول آنکھیں، بھرے ہوئے نازک نازک گال —— میں نہ رہ سکا،

اپنے اُصولوں کو بھول کر، اپنی ضد سے ہٹ کر، اپنی متین خشک مزاجی سے یکسر مُنہ پھیر کر میں نے پہلے اُسے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور پھر پے درپے اُس کے بوسے لئے، اور اسی پر بس نہیں اُس حُسن کی دیوی نے بھی تُرکی بہ تُرکی جواب دیا! میں نے اُس کے رُخسار پر بوسے دیئے تھے اُس نے میرے لبوں اور میری آنکھوں کو چُوما! میں نے اُسے سینے سے لپٹایا تھا اُس نے مجھے گلے سے لگا لیا اور بھینچا بلکہ اس مرحلے سے جلد گزر کر اُس نے میرے رُخساروں کو کھینچنا اور میرے بالوں کو نوچنا شروع کیا! بیسویں صدی کی ترقی یافتہ خاتونوں کی محبت سہہ سکنا ہر بھلے مانس آدمی کا کام نہیں اِس کے لئے ایک مضبوط دل، ایک قوی جگر اور ایک جنگجو رُوح کی ضرورت ہے —— پھر آفت پر آفت یہ کہ آخرکار اُس نے میرے کانوں میں، میری گردن پر، میرے پہلو میں غرض جہاں جہاں اُس سے بن پڑا مجھے گدگدانا شروع کیا؛ اور ستم ظریفی یہ کہ ساتھ ہی فی البدیہہ فرمائش کی کہ آپ بھی مجھے گدگدائیں! —— میں بستر پر دم بدم پہلو بدل رہا تھا، لوٹ پوٹ ہو رہا تھا، مگر وہ ظالم مجھے کب چھوڑتی تھی، نوبت بایں جارسید کہ وہ میری چھاتی پر چڑھ بیٹھی اور شاید میرے سر کے روز بروز کم ہوتے ہوئے بالوں کی طرف اشارہ کرکے طنزاً مسکرائی اور بولی "ابا جی! گنجے کے منجے" —— کہ اتنے میں پردہ اُٹھا اور یہ چار برس کی بے وفا چھپکلی پلنگ سے پھاند کر "بُوجی بُوجی" (= امّی) کہتی کسی اَور کی ٹانگوں سے لپٹ گئی!

شملہ۔ ستمبر ۳۲ء

چند پند

بڑوں کا ادب کرو چھوٹوں کا لحاظ ــــــ وہ کرو جو بڑے کہیں اور خود نہ کریں اور وہ کہو جو چھوٹے کریں اور تمہارا نام لیں۔

بلند آواز سے نہ بولو ــــــ اِلّا نصیحت کرتے وقت؛ جلد جلد نہ بولو ــــــ اِلّا وصیّت کرتے وقت۔

پہلے بات کو تولو پھر بولو ــــــ تولتے جاؤ اور بنئے کی طرح بولتے جاؤ۔

دوسروں میں بیٹھ کر آپس میں چہ میگوئیاں نہ کرو ــــــ جو کسی سے بھی کہنا ہو وہ سبھی سے صاف صاف کہہ ڈالو، بے دھڑک بے موقع بلا ضرورت یہی حق گوئی ہے۔

کھاتے وقت بہت زیادہ باتیں نہ کرو ــــــ بلکہ سُنو کہ نوالے کیا کہتے ہیں۔

مُنہ میں بہت بڑا نوالہ نہ ڈالو اور چپڑ چپڑ نہ کھاؤ ــــــ "کھُسر پھُسر" کھاؤ۔

ڈکار کے وقت مَعَاذَ اللّٰہ جمائی کے وقت قُلْ ھُوَ اللّٰہ پیٹ کے درد پر اِنّا لِلّٰہ کہو۔

بھوک سے کھاؤ، پیاس سے پیو، احتیاط سے جیو ــــــ یعنی ہمیشہ ذرا ذرا سے بھوکے، ذرا سے پیاسے اور نیم مُردہ رہو تاکہ دُنیا کے ساتھ آخرت کا توشہ بھی مہیا ہوتا رہے۔

کسی کا تحفہ قبول نہ کرو ـــــــ کہہ دو کہ والدِ مرحوم کی اجازت نہ تھی۔

کبھی مت کہو پدرم سلطان بُود ـــــــ بلکہ پدرم بُود ہی کو غنیمت جانو۔

نگاہیں نیچی رکھو ـــــــ خصوصاً وہاں جہاں بدصُورت خُرانٹ عورتیں ہوں؛

ارادے بلند رکھو ـــــــ خصوصاً وہاں جہاں لڑکے ہی لڑکے ہوں۔

کم از کم ـــــــ غیر عورت کو بُری نظروں سے نہ دیکھو۔

کسی کا حق نہ مارو ـــــــ ہاں قسمت خود کسی کا حق مار کر تمہیں دے ڈے تو لینے میں تامّل نہ کرو بلکہ الحمدللہ کہہ کر سب سمیٹ لو۔

بیمار کی عیادت کرو، فقیر کو پیسہ دو، سردی میں مُولی نہ کھاؤ ـــــــ بیمار کی عیادت کروگے تو کل کو وہ شوق سے تمہارے جنازے میں شریک ہو گا، فقیر کو پیسہ دوگے تو وہ چھُومنتر سے عقبیٰ میں روپیہ بن جائے گا، سردی میں مُولی نہ کھاؤ گے تو گرمیوں میں آم کھا سکوگے؛ دُنیا میں ہر قسم کے ایثار کی جزا موجود ہے۔

یہ ہیں بزرگوں کی نصیحتیں، بزرگوں کی نصیحتوں کو ہمیشہ ادب کے ساتھ سُنا کرو ـــــــ کم از کم سُن لینا اور ہو سکے تو یاد رکھنا بھی فرض ہے اور ہاں سُنو کہ بزرگ ہو کر تم بھی اِسی طرح نصیحتوں کے تیس مار خاں بن جاؤ گے اور اپنے موجودہ بزرگوں کی بزرگی کا اپنے آئندہ کے خوردوں سے خوب خوب بدلہ لے سکو گے!

(جدید ایڈیشن)

بڑوں کو بیوقوف سمجھو، ہم عمروں کے آگے اکڑو ــــــــ چھوٹوں سے ڈرو، مرد ہو تو عورتوں سے ملو، عورت ہو تو بچوں کو آیا کے سپرد کردو۔

نصیحت مت کرو بلکہ نصیحت کرنے والوں کو ٹوک دیا کرو ــــــــ تقلید کو تخریب سمجھو، تعلّی میں ترقی ہے، انکسار بیکار ہے، تکلف تملّق ہے! متمدن وہ ہے جو بے دھڑک بولے، جگ بھاتا کھائے، من بھاتا پیے، فقیر کو ٹھکرائے اور بادشاہ تک سے ہاتھ جا ملائے کہ ہاؤ ڈو یو ڈو سر!

کسی شخص سے کسی شے سے کسی خیال سے خدا سے بھی نہ ڈرو نہ جھجکو اور پیچھے نہ ہٹو بلکہ ہمیشہ آگے کو بڑھے چلے جاؤ ــــــــ کھائی جگ ہنسائی خدائی کسی کی مطلق پروا نہ کرو۔

دن دہاڑے پیو، زور شور سے جیو ــــــــ اِدھر جسمانی طاقت دکھاؤ اُدھر دماغی قوّت کہ دُنیا تمہیں آدھا افلاطون آدھا رستم مان لے! نرمی چھوڑو مجسّم گرمی بن کر نظر آؤ۔

رُوحانی باتوں کو بھول جاؤ ــــــــ تاکہ دُنیا کے عذاب سے بچو! جسمانی

لطف اُٹھاؤ ــــــ اِس میں دونوں جہان کا ثواب ہے۔

مذہب کو لغو کہو یہ پُرانا ہو چکا ہے ـــــــ جنسی تعلقات کو اچھا سمجھو، یہ نت نئے ہیں۔ گھر میں کم بیٹھو؛ روز نئی سے نئی جگہ جاؤ، نئی سے نئی چیزیں دیکھو، نئے سے نئے آدمی سے ملو ــــــ پُرانے ماں باپ پُرانے بہن بھائی پُرانی بیوی بلکہ پُرانی محبوبہ سے بھی مُنہ پھیر لو۔

مرد عورت میں ذرا فرق نہ جانو ـــــــ مرد ہو تو پوڈر لگاؤ، عورت ہو تو بھویں مُنڈوا ڈالو۔

عریانی ترقّی کی نشانی ہے ــــــ بجائے رُوح پر غور کرنے کے سارے جسم کو آرٹ کی عینک لگا کر دیکھو۔

آرٹ کے بعد تازہ ترین لٹریچر کا درجہ ہے ـــــ کتاب کو جلد جلد پڑھو عبُور کر جاؤ، گھاس کاٹو، مطلب سمجھ لو، نقاد بن جاؤ اور سب کو ڈنکے کی چوٹ بتا دو کہ میں ہر فن مولا ہوں۔

قِصّہ کوتاہ یہ کہ جو بات کرو نئی کرو، زور سے کرو؛ اور ہاں بے چین اور بے تاب ہو جاؤ کہ زندگی صرف جد و جہد ہے اور اضطراب؛ کسی کروٹ چین نہ پڑے تو سمجھ لو کہ تم بڑے آدمی بننے والے ہو!

؟؟!

سوال یہ ہے کہ دُنیا کے بنانے کا یا بن جانے کا یا ہونے کا جیسی وہ ہے مقصد کیا ہے؟ کسی کو کیا پڑی تھی کہ اِسے ایسا بنائے؟ یا اِسی کو کیا سُوجھی کہ یُوں بن گئی؟

سوال یہ ہے کہ کیا انسان ترقی کر رہا ہے؟ یا کیا انسان محض ایک چکّر میں ہے اور ہیر پھیر کے وہیں رہتا ہے جہاں تھا؟

سوال یہ ہے کہ کیا آج کل کا ایک "جنٹلمین" محض وہی" کپڑوں میں چھپا ہُوا بھیڑیا" تو نہیں؟ اور کیا یُوں تو نہیں کہ جس طرح وحشی عُریاں انسان ایک حسین "وحشیہ" کو دیکھ کر بیخود ہو جاتا تھا اور بیخود ہو کر اُسے بھگا لے جاتا تھا کچھ اُسی طرح ایک مہذّب ملبوس انسان بھی ایک پوڈر زدہ لیڈی کے عشووں سے بے تاب ہو جاتا ہے اور بے تاب ہو کر اُسے اپنے ہمراہ اُڑا لے جانے کی کامیاب کوشش کرتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جب آدمی کی منگنی ہو یا جب نئی نئی شادی ہو تو

منگیتر یا نئی بیوی جنّت کی حور یا پرستان کی پری یا خدا کی خاص مخلوق معلوم ہوتی ہے لیکن
جُوں جُوں وقت گزرتا جاتا ہے اِس بُت کا رُوپ بتدریج کافور ہوتا جاتا ہے یہاں تک
کہ ایک روز ہم اِس بھیانک صُورت سے ڈر کر جو بھاگتے ہیں تو ہمیں اپنی ماں کی آغوش
میں پناہ لئے بنتی ہے!

سوال یہ ہے کہ کیا انگریز ہندوستان پر اِس لئے حکومت کرتے ہیں کہ اس میں
ہندوستان کی بہتری ہے یا اس لئے کہ اس میں اِنگلستان کی بہتری ہے یا کیا اِس سے
دونوں کو نقصان ہے یا کیا صرف قضا و قدر کے فرشتوں اور شیطان کے چیلوں کو اِس
سے فائدہ ہے اور اُن کے لئے مصروفیت کا ایک سامان یا کیا کائنات کی تاریخ اور
ساخت ہی بدل جائے اگر گاندھی جی کے پیرو انگریزوں کو یہاں سے باہر نکال ماریں یا
بم انداز انگریزوں کے آگے جی حضور کہہ کر ہتھیار ڈال دیں؛

سوال یہ ہے کہ تعلیم و زراعت کے وزیروں اور کونسل کے ممبروں اور گورنروں
اور گاندھیوں اور امید یکاروں اور شوکت علیوں کا کچھ فائدہ بھی ہے یا نہیں! یہ بھی مان لیا کہ
یہ تمدّن کے موٹر کے لئے پٹرول کا کام دیتے ہیں! لیکن سوال یہ ہے کہ اِس موٹر نے
گرد اُڑانے اور گلا خراب کرنے اور بیماریاں پھیلانے کے سوا کوئی اَور کام بھی کیا ہے
یا کیا واقعی یہ سواری ہمیں " بقائے دوام اور شہرتِ عام " کے دربار کی طرف لے

جا رہی ہے ؟

سوال یہ ہے کہ باغوں میں تو خیر یہ ہمارے باغبانوں اور مہتمموں کی عقلمندی کی نشانی ہے کہ پھولوں کی کیاریاں میں اور پھلوں کی ڈالیاں اور محفلوں میں تو خیر یہ ہمارے سُناروں لُہاروں کی چابک دستی کی علامت ہے کہ حسین خاتونوں کے کانوں میں اور ہاتھوں میں اور اُنگلیوں میں اور انگوٹھے پر کرن پھول اور چوڑیاں اور انگوٹھیاں اور آرسی ہے اور یہ پھول پھل اور یہ زیور گہنے نازک دل مجنونوں اور عاشق مزاج مصنفوں کے لئے الہام کا کام دیتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہمالیہ کی کسی دُور دراز گمنام وادی میں جو جنگلی پھولوں کی بُوباس ہے وہ کس لئے ہے اور بحر الکاہل کی پوشیدہ تاریک گہرائیوں میں جو موتیوں کے کھیت ہیں وہ کس واسطے ہیں ؟

جواب یہ ہے کہ یہ سب سوال ہی لغو ہیں !
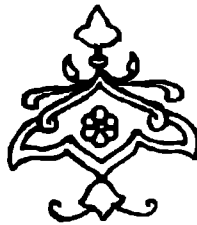
لڈو

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

"للہ اپنے ارادے سے باز آیئے"۔ میں نے اپنی نانی امّاں سے کہا۔

لیکن اُنھوں نے اصرار کیا اور کہا کہ میری خاطر اپنے لئے ایک بکرا صدقہ کردو؛ مَیں نے ایک بُرا خواب دیکھا ہے۔

مَیں گورنمنٹ کالج لاہور کا پڑھا لکھا، آکسفورڈ کا بی اے (بیل والا)، لندن کا نام نہاد بیرسٹر، یورپ کا تمدّن یافتہ ایسی خرافات کو کب خاطر میں لاتا تھا؛ میں نے صاف انکار کر دیا۔

اُنھوں نے والدہ سے مِل ملا کر اپنا کام کرا لیا۔

ایک صبح جب میں باغ سے واپس آیا تو دُور کیا دیکھتا ہوں کہ میرے بنگلے کے ایک کونے پر ایک بکرا بندھا "مَیں مَیں" کر رہا ہے۔

مَیں اندر گیا اور پُرانے خیال والوں کی حماقت و جہالت پر ایک لیکچر دینا شروع کر دیا۔

بہن نے کہا ابھی خبر آئی ہے کہ نانی امّاں بیمار ہیں؛ آپ زیادہ جوش میں نہ آئیں؛ کبھی کبھی بزرگوں کا لحاظ کرنا ہی خوب ہے۔

میں نے کہا "اوہ! اُنھیں کیا ہوا؛ اب طبیعت کیسی ہے؟

والدہ بولیں "کچھ نہیں، بات تو ذرا سی تھی، پرسوں اپنی بھانجی کے ہاں پہلوٹھی کا بچہ ہونے پر مبارکباد دینے گئی تھیں وہاں کہیں ایک موتی چُور کا لڈو کھا لیا! اُس سے سوءِ ہضم کی شکایت ہو گئی، بڑھاپے کے دن ہیں، پہلے معدے کی خرابی تھی اب جوڑوں میں درد ہونے لگا، خدا نے چاہا تو دو ایک دن میں طبیعت صاف ہو جائے گی۔

میں نے سوچا ——— ہاں! پرسوں شام ایک مزیدار لڈو، کل رات ایک بھیانک خواب، اور آج بکرے کی گردن پر وہم کی ظالمانہ چھُری! ——— اور آج تو ایک لڈو سے فقط ایک بکرے کی جان گئی پر کل کو خدا جانے پلاؤ اور متنجن اور فیرنی اور باقرخانیاں زندوں کی دُنیا میں کس کس کو تہِ تیغ کر دیں گی؟
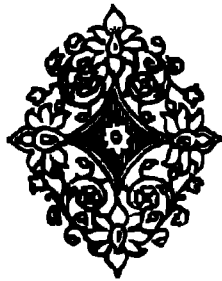
ہماری پہلی کتاب

زرد سا چہرہ، منحنی سا جسم مگر ضرورت سے زیادہ چست اعصاب! (دیکھو تصویر)

رات کا ایک بجا ہے، کمرے میں برقی لمپ جل رہا ہے، دروازوں پر موٹے موٹے پردے پڑے ہیں کہ روشنی کا باہر پتہ نہ چلے۔

بیوی بچوں سے الگ ایک کمرے میں میز پر بیٹھے ہیں؛ فرہنگ آصفیہ اور چند اور کتابیں، "فوارہ قلم" سیاہ سرخ سبز پنسلیں، ربڑ، بلاٹنگ پیپر، فل سکیپ کاغذ سیاہی، سرخ روشنائی وغیرہ اِن میں سے کچھ سامنے ہیں دو تین ہاتھ میں ہیں۔

میز پر دائیں بائیں اِدھر اُدھر چھوٹے بڑے کاغذوں پر چھوٹے چھوٹے ٹھگنے سے مضمون لکھے ہیں، حاشیوں پر، بین السطور میں، اُوپر نیچے پنسل کے لکھے ہوئے نئے فقرے اور نئے الفاظ ہیں، کاٹ چھانٹ سے سطریں گڈمڈ ہو رہی ہیں۔

دو سال ہوئے ایک دفعہ نظرِ ثانی کی تھی مشورے بھی ہوئے تھے لیکن دو ماہ ہوئے جو مسودے کو اُٹھا کر دیکھا تو حیرانی ہوئی کہ شائع کرنے کا ارادہ کس لئے کیا تھا اور مشورہ کیونکر دیا گیا تھا اور یقیناً اب بھی اگر دو سال تک طباعت کی نوبت نہ آئے تو آئندہ بھی یہی خیال پیدا ہو۔

اس لئے اب بڑا غور و خوض ہو رہا ہے؛ کئی راتوں سے نیند نہیں آئی؛ پرسوں سے غسل بھی نہیں کیا؛ تقریباً رات کے کپڑوں میں دن گزرا؛ ملنے والے آئے تو کہا کہ وہ غسل میں ہیں؛ بچوں نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا تو اُٹھے اور جلدی سے چیز ہی دے کر اُنہیں وہیں سے رُخصت کر دیا۔

"تاریخ نما" سامنے لٹک رہا ہے پرسوں سے تاریخ تک نہیں بدلی۔
ایک عزیز زبردستی اندر آ گھُسے تو کیا دیکھتے ہیں کہ صاحب کمرہ اپنی پتلون کے ساتھ جھک جھک کر فرش پر کمرے کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے، کاغذ کے سو ڈیڑھ سو پُرزوں کا بغور معائنہ کر رہے ہیں؛ ایک کو اُٹھا کر دوسرے کی جگہ رکھتے ہیں، دوسرے کو اُٹھا کر تیسرے کی جگہ رکھ دیتے ہیں؛ یہ کیا ہے: یہ مضامین کی ترتیب ہو رہی ہے! ایک پھٹے ہوئے کاغذ کے پُرزوں کو جوڑ رہے ہیں کہ نوکر اندر داخل ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ "حضور" نے ردّی کی ٹوکری خالی کر رکھی ہے اور غلطی سے جو غصّے میں کسی "پریشری" نوٹ کو پھاڑ ڈالا تھا اُس کے نمبر مِلا رہے ہیں ——— یہ ہیں ہمارے حضرت مُصنّف! "انشا کی پری" کے ٹھکرگدا! آپ کمائی کرنے سے رہے اور برسوں اِسی طرح اِس عشوہ طراز اُردوی حسینہ کے آگے اپنا دامن پھیلایا کئے؛ کسی وقت اِس نے مناظر کی چند کٹی پھٹی تصویریں پھینک دیں؛ کسی وقت اِن کی بھک منگی پُرانی سارنگی سے صدائے رُوح پیدا کر دی؛ کبھی اپنا ایک ٹوٹا ہوا آئینۂ دل اِن کے سر مارا؛ کبھی یہ دونوں گتھم گتھا ہو کر ایک نفسی جدّوجہد میں مصروف ہو گئے؛ مگر پھر دیکھا تو مُسکراتے

ہوئے باہم سرگوشیاں کر رہے تھے اور اِس ساری بک بک جھک جھک کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ اِس مُتلوّن مزاج مصنّف کے باقی ماندہ خیالات پریشاں ہو گئے اور قصّہ تمام ہُوا۔

بات صرف اِتنی ہے کہ اِن بھلے مانس کو اپنی پہلی کتاب چھپوانے کا شوق چرایا ہے دِن دِن بھر تصحیح ہو رہی ہے ترمیم ہو رہی ہے، صبح یہ کُرید ہے کہ فلاں لفظ بہت دفعہ اِس مجموعے میں دہرایا گیا ہے شام کو یہ کاوش ہے کہ فلاں مضمون نکال ڈالو کچُھ اسی قسم کا مضمون ایک اَور جگہ درج ہے؛ یہ خیال نہیں کہ ایک اِس قسم کے "خود سنج معروضی" مصنّف کی نظر عالمگیر "موضوعات" پر کم پڑتی ہے اور اِس لئے وہ عموماً اپنے ہی تجربوں اور میلانوں اور باتوں اور لفظوں میں گھِرا رہتا ہے اور اُس کے لئے اِن سے گریز ذرا مشکل ہے۔ پھر کبھی اپنے نقّاد دوست سے مشورہ ہو رہا ہے، فقروں کو لفظوں کو جانچتے ہیں تولتے ہیں، کبھی کسی اہلِ زبان سے کبھی کسی اہلِ قلم سے، کبھی جو سامنے آجائے اُس سے استفسار کرتے ہیں، بحث کرتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں۔ کہیں "جائیو" "جانا" کی بحث ہے، کہیں ہمت نہ "کر سک" کی سکت کا اندازہ ہو رہا ہے۔ کہیں "اچھوتی" "جھلکیوں" کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں کہیں یہ جھگڑا ہے کہ مکالمے میں ایک اُردو داں کو کیا یُوں ہی لکھنا چاہئے کہ "مَیں نے کہا تُو گدھا ہے" یا وہ اِس طرح بھی لِکھ لے کہ "تُو گدھا ہے" میں نے کہا۔ اور کہیں یہ تنازعہ ہے کہ "چل نکلیں" کے معنی صرف "حد سے بڑھ جانے" کے ہیں یا "چل دینے" اور "روانہ ہو جانے" کے بھی۔ النقّاد کہتا ہے: "چل نکلتے جو مَے پیئے ہوتے" مصنّف جواب دیتا ہے: "ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے۔"

اِس پر اپنے "فلک پیما" دوست کو لکھتے ہیں کہ بھئی ذرا اِس "چل نکلیں" کے متعلق تحقیق کر کے لکھو اور جلد لکھو؛ وہاں سے جواب آتا ہے کہ تحقیق کی ایسی تیسی..... "خدا جانے تمہیں کیوں تحقیق کا بھوت چمٹا رہتا ہے؛ زبان دانی کے ارمان کم نکلتے ہیں؛ قلم سے جو نکلے اُسے نکلنے دو اور جو تم پر اعتراض کرے اُسے نکال باہر کرو؛ بات کہتی ہے مجھے زبان سے نکالو میں تمہیں شہر سے نکلواؤں گی مگر تم شہر سے نکلنے کا مزہ تو دیکھو؛ بات میں بات نکلتی ہے؛ اَور کچھ نہیں تو جدّت ہے۔"

لیکن یہاں کسے ہوش ہے؛ یہاں تو جو ایک خبط سر پر سوار ہو جائے وہ پھر جب تک "منحنی" صاحب کا سارا خون نہ چوس لے اِن کا چھٹکارا نہیں ہوتا۔ آج کل یہ دُھن لگی ہے کہ کسی طرح آزادؔ کے شہرتِ عام اور بقائے دوام والے دربار کی اندھیری کوٹھڑی میں جہاں اُردو کے سیکنڈ کلاس مصنّف بٹھائے جاتے ہیں کوئی ٹوٹی پھوٹی کُرسی اِنہیں بھی مِل جائے۔

اِس لئے وہی "افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں" والا مرض جسم و جان کو لاحق ہو رہا ہے۔

کہیں یہ کتاب "چھپ نکلے" تو "میرے اچھے دوست" کی جان عذاب سے چھوٹے!

کتاب کا آخری مضمون

ارادہ تو یہی تھا بلکہ پکا ارادہ کہ پچھلا مضمون کتاب کا آخری مضمون ہو، اخیر میں آپ ہی اپنی تصنیف پر تنقید، تبصرہ، ریویو سب کچھ کر دیا جائے تاکہ اِس سے دوست بھی خوش ہو جائیں اور دشمن بھی خاموش، جو گالیاں کسی کو ہمیں دینی ہوں اُن میں سے چند نہایت نفیس گالیاں ہم خود ہی اس سے پہلے اپنے آپ کو دے لیں؛ لیکن اِنسانی ارادوں میں کب قدرت نے خلل نہ ڈال دیا اور کب کسی ایثار پیشہ شیریں زبان مُصنّف کی نیکیوں کی مِسل میں قضا و قدر کے مُنشیوں نے اپنی زہر بھری رپٹ نتھی نہ کر دی! لہٰذا یہ مضمون کہ کتاب کا آخری اور قطعی مضمون ہے!

ادبی جولانیوں کے لئے ایک لق و دق میدان، اُس کے پرے نام و نمود کی ندی! ایک بے چین سانٹو، کَس بل تھوڑا، چھلانگ لمبی —— نتیجہ وہی ہُوا جو ہونا تھا، پھسلا گرا اور زمین پر آ رہا —— یعنی تیس چالیس پچاس ساٹھ دنوں راتوں کی فقرے بازیوں اور عبارت آرائیوں کے بعد فطرت نے جو اپنا خراج طلب کیا تو یہ صاحب فراش ہو گئے۔

حسب الحکم نوکر نے اُوپر اور نیچے کی منزل میں اعلان کر دیا۔

رفیقِ زندگی اور شفیقِ زندگی دونوں جھٹ پٹ آ پہنچیں، نصفِ بہتر نے اُلفت بھری

نظریں ڈالی، شفیق ماں نے شفقت آمیز نگاہیں۔

عابد و لت بس اِسی مضمون کو لیٹے لیٹے لکھ رہے تھے، دروازہ کھلنے سے پہلے فوراً اِسے اپنے ڈبل تکئے کے نیچے کھسکا دیا اور ہمہ تن توجہ و تبسم ہو گئے۔

صبح ارادہ تھا کہ ہم تینوں ایک جلد ہونے والی شادی کی تقریب پر چند "پیشگی" تحفے اکٹھے لے کر جائیں گے۔

مَیں نے کہا "جائیے ضرور جائیے اور واقعی جائیے اور میں تو اچھا ہوں، بالکل ہی اچھا"

وہ بولیں "لیکن تم اکیلے ہو گے"!

مَیں نے کھنکار کے کہا "نہیں، مجھے بہت رنج ہوگا اگر آج آپ وہاں نہ گئیں"!

ماں نے جی میں کہا! کس قدر سعادت مند بچہ ہے!

بیوی نے سوچا: کتنا آزاد خیال اور دلیر میاں ہے!

اُنھوں نے مُنہ موڑا تو نیچے سے مضمون نے گدگدی کی۔

نوکر سے کہا: تم دوسرے کمرے میں جا بیٹھو!

نوکر نے خیال کیا! کتنا نرم دِل اور کس قدر غریب نواز آقا ہے! آواز دے گا تو مَیں حضور کہہ کر دوڑ پڑوں گا!

اور میں نے اپنے آپ سے کہا: اگر تکلیف زیادہ نہ ہو تو بیماری بھی بڑے مزے کی چیز ہے؛ عزیزوں کی تیمارداری، نوکروں کی مٹھی چاپی، ڈاکٹروں کی مسکراہٹ اور پھر اپنے کارکنوں سے چھٹی اور ملاقاتیوں سے مفت میں نجات اور پھر اس کے ساتھ مضمون نویسی

کی تضیعِ اوقات کے لئے پوری تنہائی اور طبیعت خوب حاضر! ——— لاریب کہ اُردو ادب ایسے ہی ماحول میں پھولتا پھلتا ہے! ——— دُنیا ومافیہا سے بے تعلق، عزلت کے دیوتا! ——— ایسے ہی مصنّفوں کے لئے دردِ ایل فلکِ ناہنجار کے پیام لاتا ہے اور یہ اپنا اچکن یا پتلون پہنے لیٹے یا بیٹھے اِس پیچ دار پیغام کو اُردو میں قلم بند کرتے رہتے ہیں۔

اور وہ تو خُدا بھلا کرے اِنشا کی اُس پری کا جس نے دلِ زار کو جگایا اور بہلایا اور پُھسلایا اور اُکسایا کہ وہ بولے اور تولے اور لکھے اور چھپوائے اور اپنا نام اُچھالے، سو اَب من مُتفر بیدار ہو گیا ہے بلکہ ہوشیار اور اپنی چہیتی پری کو اس طرح لکچر کرتا ہے کہ تمدّن کا دُڑھا مخزونِ ناز اور روغنِ قاز سے ہوتا ہے! اگر تُو چاہتی ہے کہ دُنیا تیرے تعارف کے لئے بیقرار ہو اور جلسوں جلوسوں میں ہر کہیں لوگوں کی نگاہیں تجھ پر پڑیں تو انکسار و توکل کی بلندیوں سے اُتر کر نام آوری کی ٹیڑھی سڑکوں پر ایک گرد انگیز موٹر میں چل نکل۔ طیاروں کی پرواز کے ساتھ اپنے نفس کو بلند کر، گھومنے والے سیاحوں سے وسعتِ نظر کا سبق پڑھ، بینڈ باجوں میں اپنی رُوح کی موسیقی کا بے ہنگم غوغا سُن اور پچھلے پہر کی چائے پارٹیوں سے بے تکلفی اور خود رائی اور خود نمائی کی ادائیں سیکھ! تصویروں اور آئینوں سے اپنی دیواروں کو مزیّن و منوّر کر اور مذہبی کتابوں کو اپنے گھر کی تاریک ترین ظلمت میں جگہ دے! اپنے ضمیر کے شفاف آئینے میں اپنے نفس کو اکڑتا ہُوا دیکھ اور نوعِ انسان کی بڑھتی ہوئی قوتوں کے آگے فرشتوں کو سرنگوں ہوتے ہوئے محسوس کر نفیس کھانوں کو اپنی خوشیاں سمجھ اور ھانوں

کو اپنی مصیبتیں ! دُنیا کے شور و غُل میں صرف اپنے مداحوں کی آوازیں سُن اور کتب فروشوں
کے ہاں صرف اپنی کتاب کے خریداروں کے نعرے ——— یہ کہتے ہوئے میں
بے جانے بُوجھے اپنی "طلسمِ زندگی" کے قدر دانوں کے اس قدر قریب پہنچ جاتا ہوں کہ میری
زرق برق جھلکیوں سے اُن کی آنکھیں چُندھیانے لگتی ہیں اور میرے مہمل مجذوبانہ شذروں
سے اُن کے کان پھٹنے لگتے ہیں اور انشا کی پری مجھ سے بہت ہی دُور صرف یہ سُن پاتی
ہے ——— انسان کی خدائی میں .... مرد عورت کی سرگرمیاں .....
چالاک ہٹیلے بچے ...... توندلیں دودھ پلاتی ہوئیں ..... پھیلے ہوئے کارخانے
...... مُسٹنڈے مزدور ...... کام ...... تفریح ..... ٹھٹھول .....
متانت کو روک ...... کبھی یوں ہو کبھی وُوں ..... اور گُدگُدا اور ہنس ہنسا
.... جو کہو سو کہو .... ہی ہی ہی !!!
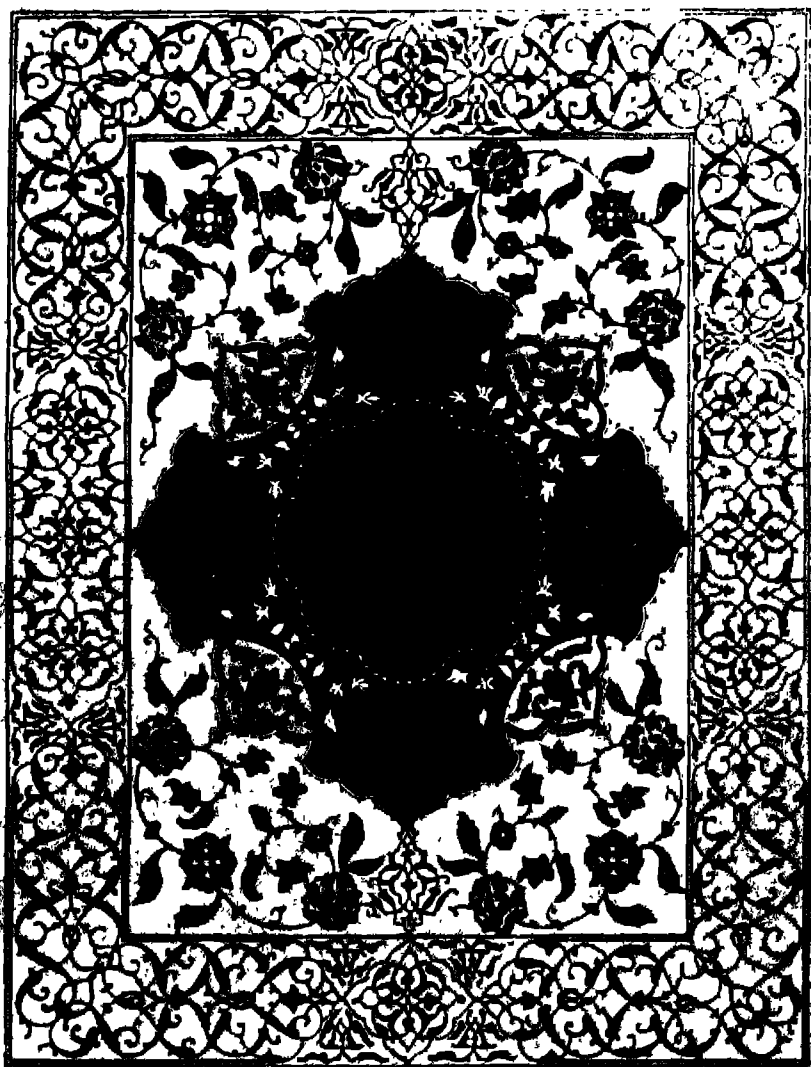
کُل ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اپنے اجزا میں اِک زیادہ دھڑکتی ہوئی زندگی بسر کرتا ہے۔

کائنات کا مُعمّا کبھی حل نہیں ہوسکتا؛ حل ہوتے ہوتے وہ اپنی صُورت بدل لیتا ہے۔

کچھ یہ اِتنا حیرت انگیز نہیں کہ دُنیا کہاں سے آئی اور ہم کیوں موجود ہیں؛ تعجب اِس پر ہے کہ ہمارے دِل میں یہ سوال پیدا ہوتے۔

لوگ سڑک پر گزُرے جاتے ہیں، کیا اِسی کا نام دُنیا ہے؟

دُنیا وہ نہیں جسے ہم دیکھیں، دُنیا وہ ہے جس کا ہم تصوّر کریں۔

قدُرت کا کوئی اصُول نہیں جس کی مخالفت قدُرت ہی کا کوئی اَور اصُول نہ کرے۔

چیزیں کیا ہیں اگر اُن کے دکھانے والی روشنی اور دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔

زندگی اصول کی آنکھوں میں خاک ڈالتی ہے۔

زندگی ایک آئینہ ہے؛ ہر شخص اس میں اپنی صورت دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہے اور حیران بھی؛ دوسروں کی شکلیں اُسے ذرا بگڑی بگڑی نظر آتی ہیں۔

زندگی میں کامیاب وہ ہوتا ہے جس کی نیت نیک ہو؛ لیکن نامور وہ ہوتا ہے جو زیادہ غل مچائے۔

دُنیا والوں کا ایک طبقہ بُرے کاموں میں گرفتار ہے دُوسرا اچھے لفظوں میں مقید۔

اگر تم زندہ ہو۔ اگر تم جیتے جی کچھ جینا چاہتے ہو تو اپنی زندگی کا کوئی مقصد بناؤ؛ کسی بڑی تحریک کے ساتھ، کسی بڑے کام کے ساتھ، کسی بڑے نام کے ساتھ اپنے تئیں وابستہ کرلو۔

دیکھو کہ تمہیں نظر آئے، ڈھونڈو کہ تم پالو، دوڑو کہ تم پہنچ جاؤ!

ارادوں کی افراتفری قوتِ عمل کو اوندھے منہ گراتی ہے۔

کام کے بعد بہترین کام آرام ہے۔

مُفید کام خُشک ہیں، مضر کام ممنوع! تم جب تفریح چاہو تو کوئی ایسا کام تلاش کرو جو نہ مفید ہو نہ مضر بلکہ محض بے سُود۔

ہم اِس متانت سے دُنیا کی ذرا ذرا سی باتوں کو دیکھتے ہیں کہ خود متانت مضحکہ انگیز بن جاتی ہے۔

عقلمندی اِسی میں ہے کہ تم زیادہ عقلمند بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔

یہ کہ کوئی شے اِتنی اچھی ہے کہ دُنیا اُسی سے جنت ہے کم از کم ہمیشہ یہ نہ سمجھے رہو۔
یہ کہ کوئی شے بھی اِس قدر بُری ہے کہ دُنیا اُسی سے جہنم ہے کم از کم دیر تک یہ نہ سمجھے رہو۔

کسی شے کے پیچھے اِس طرح نہ دوڑو گویا وہی دُنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ یہ ہے اِک جنون؛ اور صرف اپنے اندر یُوں نہ بیٹھ رہو کہ یہی کائنات ہے کہ یہ ہے اِک لا علاج مرض!

کبھی گھڑی دو گھڑی دُنیا کے جھگڑوں سے دل کو پاک بھی رکھ!

زندگی کے تھپیڑے کھا اور سمجھ کہ کوئی تجھے تھپکیاں دے دے کر سُلا رہا ہے!

جوانی میں ہنس کھیل، بڑھاپے میں مسکرا!

کوئی شخص اِتنا اچھا نہیں کہ بُرائی اُس میں موجود نہ ہو اور کوئی شخص اتنا بُرا نہیں کہ نیکی اُس میں قطعاً مفقود ہو۔

جو چیز حد سے بڑھی نظروں سے گِر گئی! خوشی، اطمینان، سکون سب کا یہی حال ہے بلکہ نیکی کی انتہا بھی شاید بُرائی کی ابتدا ہو!

ہر شخص دل میں اپنے تئیں دُنیا کا سب سے بڑا عقلمند اور سب سے بڑا مظلوم سمجھتا ہے۔

کوئی شخص کسی کو اپنے جی کے تمام بھید نہیں بتاتا۔

اِنسان اپنے آپ کو بھی اپنا کامل رازدار نہیں سمجھتا۔

بعض لوگ لفظوں کے لئے خیالوں کی بعض خیالوں کے لئے لفظوں کی تلاش کرتے ہیں۔

بعض چیزوں کو دیکھ کر میرے دل میں کچھ خیال پیدا ہوتے ہیں جو کبھی پہلے بھی پیدا ہوئے تھے لیکن میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں؟

کچھ مَیں ایسا بُرا نہیں بلکہ دوسروں کی بُرائی مجھے نیک راہ سے بھٹکاتی رہتی ہے۔

جب مَیں کسی سے سچّے دل کے ساتھ نیکی کرنے لگتا ہوں تو میں شرما جاتا ہوں۔

انسان فانی ہے لیکن نوعِ انسان باقی۔

اِحسان مند کا اعتراف محسن کو شرمندہ کر دیتا ہے کہ تیرا احسان ہو چُکا۔

دُنیا ہماری باہمی دُشمنی سے پُر رونق رہتی ہے۔

بحث مطالب کو واضح نہیں کرتی بلکہ عموماً اَور زیادہ پیچیدہ بنا دیتی ہے۔

سب سے بُری بیماری وہ دولت ہے جو خود کمائی نہ گئی ہو۔

بُخل کمینہ ہے، اسراف شوخ دیدہ۔

جان کہتی ہے: "تیرے دوست تجھے تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔"
دل کہتا ہے: "کاش! وہ مجھے تنہا رہنے دیں!"

جب تک تُو اپنے جسم میں تھوڑی سی حرکت پیدا کر کے اپنے سر کو ہوا میں اُونچا نہ کرے گا اور ذرا جُھوم کر اپنے فقرے کے آخری لفظوں پر زور نہ دے گا تُو اپنے معاشری دائرے میں عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا!

دہریہ پن فیشن میں داخل ہے؛ تم فیشن میں پُورا اُترنا چاہو تو مذہب کا نام سُنتے ہی پُکار اُٹھو کہ میں خوب جانتا ہوں خدا نہیں ہے!

سیاست کا نصف اپنے نفس کو فریب دینا ہے اور نصف دوسروں کو فریب میں ڈالنا۔

فرد اصُول پر قائم رہ سکتا ہے قوم نہیں رہ سکتی ۔

صنعت و حرفت کی خشک مزاجی اور بحری تجارت کی تر دامنی مہذب قوموں کے تمدّن کا سرمایہ ہیں ۔

میرا قفس ہندوستان کے شہروں کا ساخت کردہ ہے اور میری چڑیا جاپان کے آزاد میدانوں کی رہنے والی ہے ؛ وہ مجھے بُود و باش کی اُس روش سے بھٹکاتی ہے جس پر میں نے اپنے آبا و اجداد کو چلتے دیکھا اور سُنا ۔

وہ قوم جو کسی غیر قوم کی حکومت کو اپنی دائمی ترقی کی ذمہ دار بنالے دائمی غلامی کے لائق ہے ۔

حیرت ایوانِ تاریخ میں داخل ہوتے ہی اسلام سے دوچار ہوئی !

حسن کا پہلا جلوہ جلوۂ خداوندی ہے !

حسن سطحی سہی لیکن اُس کا اثر دل کی گہرائی تک ہے ۔

محبت اگر ایک بار صداقت کو پہنچ چکی ہے تو وہ کھوئے جانے سے جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

دوستی عنفوانِ شباب میں نشوونما پاتی ہے اور چند برسوں زندہ رہ کر مر جاتی ہے۔

بہن بھائی کی محبت دُنیا جہان کی اُلفتوں سے زیادہ پاکیزہ شے ہے۔

سب سے بیش قیمت تحفہ جو دُنیا ہمیں دیتی ہے وہ عورت ہے جو صحیح معنوں میں ہماری رفیقِ زندگی ہو۔

جب میں ایک ماں کو اپنے بچے سے پیار کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے فطرت کی تصویر کا روشن پہلو نظر آجاتا ہے۔

ننھا بچہ جب مسکرائے تو خوشی کے فلسفے کو تہ کر کے رکھ دو!

تنہا وہ ہے جو محفل میں تنہا ہو، جو تنہائی میں تنہا ہو فطرت اُس کی ساتھی ہے!

یہاں صبح و شام دربارِ عام ہوتا ہے اور پہاڑوں کی چوٹیاں شفق کی کرنوں کا سنہری تاج پہن کر آسمان کے نیلگوں تخت پر جلوہ نما ہوتی ہیں۔

صبا اٹکھیلیاں کرتی آتی ہے تو پھول رقص کرنے لگتے ہیں؛ پھول رقص کرنے لگتے ہیں تو پرندے گانے لگتے ہیں؛ اور پرندے گانے لگتے ہیں تو فضا ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے۔

تیرتا ہوا بادل آسمان کے بحرِ ناپیدا کنار کا ایک خوشنما جزیرہ ہے۔

سورج کی کرنیں صبح کے وقت ہولی کھیلتی ہیں اور شام ہوتے اپنا تعزیہ لے کر چلی جاتی ہیں۔

سرِ شام آفتاب کی زرد شعاعیں سبز درختوں کو اپنی اُداسی کا مسکن بنا رہی ہیں اور بادل کے ٹکڑوں کو اپنی دولت کا مدفن۔

میرے اِس دل کو تُو جیسے چاہتا ہے غموں اور تکلیفوں سے پامال کر دے لیکن مجھے زندگی بھر میں فقط ایک کوئی سی مستقل خوشی عنایت کر!

بہشت ایک وہ ہے جہاں خدا انسان کی رُوح کو اپنے نُور سے منوّر کر دیتا ہے

اور ایک وہ ہے جو اسی دنیا میں انسان کبھی سے اپنی شبانہ روز محنت سے تعمیر کر رہا ہے اور جو نہیں معلوم ہزار ہا سال کے بعد کب تکمیل کو پہنچے گی؟

یہی دُنیا، یہی دُنیا بہشت بن جائے گی اس روز جب انسان اپنی قسمت کو اپنی ہمت سے بدل ڈالنے کا تہیہ کر لے گا ــ پھر توہمات کا بازار سرد پڑ جائے گا، پھر مردوں عورتوں میں مساوات قائم ہو گی، پھر کوئی قوم کسی قوم کی غلام نہ رہے گی، پھر امارت و افلاس کا امتیاز حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گا، پھر گناہ کو جڑ سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیا جائے گا کیونکہ پھر جسم مضبوط ہونگے دل دلیر اور روحیں خوبصورت!

مجھ کو اس کی فکر نہیں کہ گزرا وقت میرے ہاتھ نہیں آسکتا بلکہ فکر اس کی ہے کہ کہیں میں اس کے ہاتھ نہ آجاؤں۔

(نوشتہ ۱۹۰۵ء ـ عمر ۱۲ سال)

جی میں آیا کہ ایک ایسا فقرہ لکھوں جو آج تک کسی نے نہ لکھا ہو!

اپنے "خیالاتِ پریشاں" کرنے ہوں تو اُردو کے مصنف بن بیٹھو اور اپنی تصنیف کی آرائش و طباعت کے لئے گھر سے چل کھڑے ہو۔

بہت کچھ کہہ چکا، بہت کچھ لکھ چکا، کاش اب کوئی بُرا بھلا کام بھی کروں ــــ کم از کم یہ کتاب ہی شائع کر دوں!

تصاویر پر ایک نظر

طلسمِ زندگی۔ یہ دُنیا کے سب سے بڑے تصویر خانے لُوور (واقع پیرس) کی ایک مشہور تصویر ہے اور یقیناً دُنیا کی بہترین تصویروں میں شمار ہونے کے قابل ہے! فرانسیسی زبان میں اِس کا نام ہے "لے زِلُوزیون پرِدُو" (Les Illusions Perdues) یعنی "کھوئی ہوئی فریب کاریاں"۔ یہ مشہور فرانسیسی نقاش شارل گلیئر (Charles Gleyre ۱۸۰۷ء تا ۱۸۷۶ء کے مُوقلم کا شاہکار ہے۔

پہاڑوں کی بلندی سے ندی اپنے جوش وخروش میں بہے آتی ہے۔ یہ تصویر میاں محمد اقبال شفیع کی ہمالہ نوردی کا نتیجہ ہے! کشمیر میں کولہائی کے برفانی پہاڑ کے مضافات کا منظر پیشِ نظر ہے۔

طلوعِ آفتاب۔ گیدو رینی (Guido Reni) کی یہ تصویر شہر روما کے ایک محل روس پگلیوسی کی زیب وزینت ہے۔

زوال میاں عنایت اللہ صاحب (باغبانپوری) کی لطیف فن کاری کی تخلیق ہے۔

سمندر۔ آرتھر برنگٹن (Arthur Burrington) کی نقاشی کا جادو بھرا عکس ہے۔

امید (Hope) ۔ یہ شہرۂ آفاق تصویر مشہور انگریزی نقاش جی ایف واٹس (G.F.Watts) نے ۱۸۸۵ء میں اپنی عمر کے اڑسٹھویں سال میں تیار کی؛ یہ آج کل لندن کی تصویر گاہ ٹیٹ گیلری کی آرائش ہے۔

زندگی کی تین راہیں (The Three Paths) یہ معنی خیز تصویر گننگ کنگ (Gunning King) کے نکتہ رس تصوّر کا کارنامہ ہے۔

علم اور زمانہ (Time & Knowledge) والی دلکش تصویر کا نقاش وال کزنز (Wallcousins) ہے۔

قبر کا بھید (Génie gardant le secret de la tombe) پیرس کے مشہور عجائب خانے لکسم بُورگ میں رینے دیس مارسو (René de Saint-marceaux) کی سنگ تراشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔

چاندنی رات میں اور گھنے جنگل میں دو دلکش نظاروں کی عکسی تصویریں ہیں۔

مُسکراتے رہو ایک خرانٹ مُعلّمہ کا درسِ عبرت ہے۔

← • → جو کچھ ہے سو ظاہر ہے!

تحتانی آرائشوں اور سرورق کے خاکے کے لئے شیخ فیروزالدین صاحب پروفیسر ڈرائینگ کالج کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے! اس ضمن میں میاں عبدالرحمٰن صاحب اعجاز نے بھی مفید مشورے دیئے۔

صحت نامہ - ص۱۴: سنہ = سنہ ، ص۱۹: ناموروا = ناموروں ، ص۲۱: پژمردو گی = پژمردگی ، ص۳۵: ندامت و ملامت ، ص۳۵: اُور = اور ، ص۹۶: چنار = چنار ، ص۱۱۱: جھجھاتے = جھجھاتے ، ص۱۲۰: اُسے = اِسے ، ص۱۴۵: کرتا = کرتا ، ص۱۵۲: سنہ = سنہ ، ص۱۶۰: اور کیا = اور کیا ، ص۱۹۹: خالی = خالی ، ص۲۷۶: بھولوں = پھولوں ، ص۲۹۴: سُنسنی = سنسنی

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس مینجر چھپی اور سید عبداللطیف نے شائع کی۔ تصاویر کلکتہ آرٹ پریس لاہور میں چھپیں

ملنے کا پتہ :- سید عبداللطیف مینجر رسالہ ہمایوں "المنظر" - ۲۳ - لارنس روڈ - لاہور

کاتب پیر عبدالحمید